سقراط کے شہر میں

کے اشرف

جملہ حقوق بحق خواجہ اشرف محفوظ ہیں

ISBN: 978-1-4675-3455-0

کتاب: سقراط کے شہر میں

مصنف: کے اشرف

دیدہ ریزی: راشد اشرف

Zest70pk@gmail.com

سرورق: ہائرو

سال اشاعت: 2012

تعداد اشاعت: 1000

مطبع: سی ڈبلیو پرنٹرز

قیمت: دس ڈالر 250 روپے

سی ڈبلیو پرنٹرز، 1375 یونیورسٹی ایونیو، برکلے، کیلیفورنیا، یو ایس اے

انتساب

سچائی کے پیغمبر سقراط کے نام

اظہارِ تشکر

اس سفر نامے کے لئے میں ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں جن کی محبتیں مجھے ہمیشہ مائل سفر رکھتی ہیں۔ اُن کی آراء، اُن کے تبصرے، اُن کے مشورے مجھے اگلے سفر پر اُکساتے اور پھر مجھ سے اُس سفر کی روداد رقم کراتے ہیں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے محترم دوست راشد اشرف صاحب کا جو بکمال محبت میری تحریروں پر نظر ثانی فرما کر نہ صرف اُن میں کتابت کی اغلاط کی تصحیح کرتے ہیں بلکہ نوک پلک درست کرنے کے علاوہ مفید مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔

آخر میں، میں شکر گزار ہوں اپنے قارئین کا جن سے ملنے والے تاثرات مسلسل میری راہنمائی کرتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ اُن کی راہنمائی کے بغیر میرا علمی وادبی سفر ادھورا اور ناقص رہتا۔

توقع ہے کہ خاکسار کو آپ سب کی محبتیں ایسے ہی میسر رہیں گی۔ اور میں اسی طرح اپنی تخلیقات آپ کی خدمت میں پیش کرتا رہوں گا۔

پیش لفظ

انسان کے تہذیبی ارتقا کی کہانی دلچسپ ہے اور عجیب بھی۔ دلچسپ اِس لئے کہ کرہ ارض پر وارد ہونے سے لیکر لمحہ موجود تک انسان مسلسل اِرتقا کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

اِرتقا کے اِس سفر میں انسان کو جن چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا انسان نے اُن سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں استعمال کیں۔ اِن صلاحیتوں میں کچھ صلاحیتیں اسے فطرت کی طرف سے ودیعت ہوئی تھیں اور کچھ اس نے اپنی ذہنی استعداد اور تجربے کی بنیاد پر حاصل کی تھیں۔

انسانی اِرتقا کی یہ کہانی عجیب اِس لئے ہے کہ بظاہر کرہ ارض پر موجود تمام مخلوقات اِرتقا کے اس عمل سے گزری ہیں لیکن اُن میں سے صرف انسان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے اپنی ذہنی استعداد کی بنیاد پر حاصل کردہ صلاحیتوں کو استعمال کر کے کرہ ارض پر بے شمار موضوعی اور معروضی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔

باقی تمام مخلوقات اِرتقا کی عمل سے گزرنے کے باوجود اپنی اصل شکل سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔

فطرت کی طرف سے اُنہیں جو کچھ عطا ہوا اُسی پر قانع رہ کر اُنہوں نے نسل در نسل زندگی گزاری اور کرہ ارض پر کوئی خاطر خواہ تبدیلی لائے بغیر عدم کے اندھیروں میں کھو گئیں۔

اِس دلچسپ اِرتقائی عمل کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ انسانی اِرتقا کی اِس دوڑ میں دنیا بھر کے انسانوں نے مقدور بھر حصہ لیا۔

ہر تہذیب نے کسی نہ کسی طور پر اِرتقا کے اِس عمل میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ کسی تہذیب نے ظروف سازی کی صنعت کو جنم دیا۔ کسی نے انسانیت کو کاغذ، قلم اور پرنٹنگ پریس کا تحفہ دیا۔

کسی نے تعمیرات کے اصول سکھائے۔ کسی نے پہیہ ایجاد کیا اور انسان کے لئے سفر کے نئے امکانات روشن کیے۔ کسی نے فنون حرب میں ایسے آلات تخلیق کیے جن سے ہر طرح کی مخالف قوتوں کو زیر کرنے میں انسان کو یدِ طولیٰ حاصل ہوا۔ کسی نے فکری علوم کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ آج انسان اگر زمینی حدود سے نکل کر کائناتی حدود میں اہم کامیابیاں حاصل کر رہا ہے تو اِس کا کریڈٹ اُن تمام تہذیبوں کو جاتا ہے جنہوں نے تاریخ میں کرہ ارض کے کسی ایک خطے میں کوئی ایسی ایجاد کی جس سے انسان کے اجتماعی اِرتقا میں مدد ملی۔

اِرتقا کے اِس سفر میں جہاں چینیوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں، عربوں، ترکوں اور جاپانیوں نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں وہیں یورپی تہذیب کے پیش رو یونانیوں نے بھی انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ یونانیوں نے انسانوں کو اُس وقت سوچنے کے ایسے سائنسی اصول فراہم کیے جب الہامی کتابوں کے نزول کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔

کئی حوالوں سے وہ اصول آج بھی از خود اتنے صحیح ہیں کہ اُن کی تصدیق کے لئے کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں۔

جدید سائنسی علوم کے اِرتقا میں ایک طرف اِن اصولوں نے بنیادی کردار ادا کیا تو دوسری طرف اِنہی اصولوں پر چل کر انسان اب بھی ارضی حدود سے باہر نکل کر کائناتی حدود میں کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔

کیا یہ بات عجیب نہیں ہے کہ افلاطون نے اپنی کتاب ڈائیلاگ اور ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا انجیل اور قران سے کئی سو سال پہلے تحریر کی تھی۔

ہم نے اوڈیسی اور ایلیڈ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اُن کے موضوعات فکری کی بجائے ادبی زیادہ تھے۔

انسان کی اِرتقائی تاریخ میں یونانیوں کی علمی کامیابیاں یقناً سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

یونان انسان کے تہذیبی اِرتقا کی تاریخ کے حوالے سے ایک انتہائی اہم ملک ہے۔ نوعمری میں عظیم یونانی لکھاریوں اور مفکرین کی کتابیں پڑھنے کے بعد میرے دل میں ہمیشہ یونان کے سفر کی خواہش انگڑایاں لیتی رہی۔ میں بحر روم شمالی اور بحر ایجیئن کے درمیان واقع سینکڑوں چھوٹے بڑے جزائر پر مبنی اِس ملک کو دیکھنا چاہتا تھا جہاں اُن عظیم ہستیوں نے جنم لیا جنہوں نے انسانی فکر کو سوچ کے بنیادی سانچے فراہم کیے۔

اِس مقصد کے لئے میں نے یونان کے مرکزی شہر ایتھنز کا سفر اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

ایتھنز یونان کی تاریخ میں انتہائی اہم شہر ہے۔ کوشش کروں گا کہ ایتھنز میں میں جو کچھ دیکھوں وہ آپ کو بھی دکھاؤں۔ اِس سفر میں ہم نہ صرف یونان کے جغرافیہ کا سفر کریں گے بلکہ کوشش کریں گے اُن اہم تاریخی شخصیات اور واقعات سے بھی تصوراتی ملاقات کریں جن کا ذکر ہم علم وادب کی تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں۔

ذاتی طور پر میرے لئے یونان میں سب سے زیادہ دلچسپ اُن تاریخی شخصیات کے عدل، جمہوریت اور شہری ریاستوں کے بارے میں تصورات ہیں۔

باقی دنیا کے انسان اکیسویں صدی میں اُن تصورات کی تفہیم کی کوشش کررہے ہیں جو یونانی دانشوروں نے ہزاروں سال پہلے پیش کیے اور اُن کے زعمانے اُن خوبصورت تصورات کو اپنے شہروں میں عملی جامہ پہنایا۔

یہ سفر نامہ اگرچہ موجودہ یونان کے بارے میں ہے لیکن جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہم اُن عظیم شخصیات اور اُن کے تصورات کا سرسری تذکرہ بھی کریں گے تاکہ اِس سفر نامہ کے

قارئین یورپی تہذیب کی زیرِ سطح کارفرما پرتوں کا اور اُن کی اقدار کی تاریخی اہمیت سے شناسائی حاصل کر سکیں۔

"سقراط کے شہر میں" کے مطالعہ کے بعد اگر آپ خاکسار کو اپنی رائے سے آگاہ کر سکیں تو آپ کی عنایت ہو گی۔

کے اشرف

1375یونیورسٹی ایونیو، برکلے، کیلیفورنیا94702

یو ایس اے

kashraf@ix.netcom.com

یونان کا نقشہ

سان فرانسسکو سے ایتھنز تک

سان فرانسسکو سے ایتھنز جانے کے لئے اِس بار میں نے قدرے مختلف روٹ اپنایا۔
وین کوور سے سے لفتھانسا ائیر لائن روزانہ براستہ فرانکفرٹ ایتھنز جاتی ہے۔ لفتھانسا ائیر لائنز نے یونائیٹڈ ائیر لائنز کے ساتھ سان فرانسسکو سے اپنے مسافروں کو وین کوور پہنچانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ چنانچہ سان فرانسسکو سے ایتھنز جانے کے خواہش مند لفتھانسا ائیر لائنز کے مسافر سان فرانسسکو سے بذریعہ یونائیٹڈ ائیر لائنز وین کوور پہنچتے ہیں اور وہاں سے لفتھانسا کا جہاز پکڑ کر جرمنی یا دیگر یورپی شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ میں نے بھی ایتھنز جانے کے لئے اس بار ایسا ہی کیا۔
وین کوور امریکہ کی مغربی کوسٹ پر واقع کینیڈا کے ڈسٹرکٹ کولمبیا میں کینیڈا کا ایک انتہائی خوبصورت شہر ہے۔
یہاں پر مشرقی پنجاب سے ہجرت کرنے والے بے شمار سکھ آباد ہیں۔ اگر آپ کسی مال یا کسی پبلک پلیس پر جائیں تو آپ کو بہت سے سردار گھومتے پھرتے دکھائی دیں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کینیڈا میں نہیں ہندوستان کے کسی شہر میں پھر رہے ہیں۔
وین کوور کا موسم خوشگوار، ماحول پاکیزہ اور مناظر انتہائی خوبصورت ہیں۔ شہر کے مال بارونق ہیں۔ مال میں چلتے ہوئے آپ کو اکثر انگریزی اور فرانسیسی نسل کے لوگ دکھائی دیتے ہیں اور دونوں زبانیں بھی سننے کو ملتی ہیں۔ مالز میں انگریزی اور فرانسیسی سن کر سرداروں کی موجودگی سے پیدا ہونے والا تاثر زائل ہو جاتا ہے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ ہندوستان میں نہیں واقعتاً شمالی امریکہ کے ملک کینیڈا میں گھوم پھر رہے ہیں۔

وین کوور کا فضائی منظر بہت خوبصورت ہے۔ جہاز جب وین کوور کی فضائی حدود میں داخل ہوتا ہے تو دور دور تک پھیلی جھیلیں اور جنگلات کا منظر انسان کو مسحور کر دیتا ہے۔

میں کوئی دو دہائیاں قبل گھومنے پھرنے کی غرض سے وین کوور آیا تھا۔ اُس کے بعد یونان جاتے ہوئے دو ڈھائی گھنٹوں کے لئے فلائٹ بدلنے کے لئے وین کوور کے ایئر پورٹ پر رکا تو پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ لیکن اِس بار میں نے شہر میں گئے بغیر وین کوور ایئر پورٹ کے اندر عجیب منظر دیکھا۔

یونائیٹڈ ایئر لائنز کے طیارے سے اتر کر لفتھانسا کے گیٹ پر جانے کے لئے جیسے ہی میں نے ائیر پورٹ کی عمارت کے اندر قدم رکھا چاروں طرف مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے نظریں اُٹھائیں تو میں نے دیکھا کہ کینیڈین حکومت نے ائیر پورٹ کے اندر عملی طور پر وین کوور کا جغرافیائی منظر پیدا کر رکھا ہے۔ ائیر پورٹ کے اندر چھوٹی چھوٹی جھیلیں بنائی گئی ہیں۔ ایک طرف انسانوں کے ہاتھوں چپوّوں کے ذریعے کھینچی جانے والی بڑی سی کشتی بنائی گئی ہے تو دوسری طرف جنگلوں میں اُگنے والے درخت لگائے گئے ہیں۔

ساتھ ہی پانی میں پتھروں پر مٹیالے رنگ کے مینڈک بیٹھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ پسِ منظر میں مینڈکوں کے ٹرّانے کی آوازیں ائیر پورٹ کے اندر عجیب جنگلی ماحول پیدا کرتی ہیں۔

ائیر پورٹ کا اندرونی ماحول دیکھ کر میں چند ثانیوں کے لئے بھول گیا کہ میں ائیر پورٹ کے اندر ہوں یا وین کوور کے لش جنگلوں میں گھوم رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے ائیر پورٹ کے اندر ایسا فطرتی ماحول دیکھ کر اب تک کے سفر کی ساری تھکاوٹ اتر گئی اور طبعیت بشاش ہو گئی۔ کاش دنیا بھر کے ائیر پورٹ وین کوور کے ائیر پورٹ کی کاپی کریں اور اپنے ائیر پورٹ ویسے ہی بنائیں تا کہ مسافروں کے اعصاب کو دورانِ سفر کچھ تو سکون میسر آئے۔

میرے لئے وین کوور ائیرپورٹ کے اندر پیدا کردہ فطرت دوست ماحول میں ایک گیٹ سے دوسرے گیٹ تک چل کر جانا ایک خوشگوار تجربہ تھا۔

بہت سے ائیرپورٹوں پر میں نے نوٹ کیا ہے کہ فلائیٹ بدلنے کا تجربہ انسان کو جسمانی، ذہنی اور اعصابی طور پر تھکا دیتا ہے۔ اس پر مستزاد ۱۱/۹ کے واقعات کے بعد سیکورٹی کے نام پر کیے گئے اقدامات کی وجہ سے پیدا ہونے والی دشواریاں ہیں۔ ان اقدامات سے مسافروں کے لئے سیکورٹی کی صورتِ حال یقیناً بہتر ہوئی ہے لیکن اِن انتظامات نے اُن کی مشکلات میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔

وین کوور ائیرپورٹ پر بین الاقوامی مسافروں کی مشکلات کو کم کرنے کے لئے بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے۔ اُنہیں انتہائی سہولت کے ساتھ دوبارہ سیکورٹی کے عمل میں گزارے بغیر اُن کے دوسرے مطلوبہ گیٹ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

میں اِس پُرسکون ماحول میں چلتا لفتھانسا کے گیٹ پر پہنچا تو مختلف یورپی شہروں کو براستہ فرینکفرٹ جانے والے مسافر پہلے سے گیٹ پر پہنچنا شروع ہو چکے تھے۔ اس لئے گیٹ پر خاصی رونق تھی۔ شاید وین کوور ائیرپورٹ کے فطرت دوست ماحول کا اثر تھا کہ سارے مسافر ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے۔ چند ایک تو باقاعدہ کیمرے کی آنکھ سے ائیرپورٹ کے اندر کے ماحول کی تصویریں بنا رہے تھے۔

ہر گیٹ کے قریب ایک اونچا بیضوی ٹیبل بنایا گیا تھا جس کے گرد کھڑے ہو کر کئی مسافر کمپیوٹر استعمال کر سکتے تھے۔ ایسے ہی ایک بیضوی ٹیبل پر رکھ کر میں نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے کے لئے ائیرپورٹ کی طرف سے فری وائی فائی سروس موجود تھی۔

میں نے اِس فری وقت کو غنیمت جانتے ہوئے وہاں اپنی اِی میلز چیک کیں۔ اُس روز کے اخبارات کا مطالعہ کیا۔ اِتنی دیر میں لفتھانسا کی فرینکفرٹ جانے والی فلائیٹ کی بورڈنگ شروع ہو گئی۔ میں نے بھی اپنالیپ ٹاپ بند کیااور جہاز میں سوار ہو گیا۔

اتنے سالوں بعد مجھے وین کوور آنا بہت اچھالگا۔ چند گھنٹوں کے قیام سے طبعیت خوش ہو گئی۔

وین کوور سے فرینکفرٹ جانے والی لفتھانسا کی فلائیٹ کا عملہ بہت محنتی اور خدمت شعار تھا۔ پرواز کے دوران سارے عملے نے انتہائی جانفشانی اور خندہ پیشانی سے تمام مسافروں کی خدمت کی۔ ہر ایک کی ضرورت کا خیال رکھااور مقدور بھر ۹ گھنٹے کی اس طویل فلائیٹ کو مسافروں کے لئے ایک خوشگور تجربے میں تبدیل کر دیا۔

وین کوور سے آنے والی فلائیٹ نے فرینکفرٹ انٹرنیشنل ائیر پورٹ پر لینڈ کیا تو اطمینان ہوا کہ سفر کا طویل دورانیئے پر مبنی حصہ ختم ہوا۔ فرینکفرٹ سے ایتھنز تک ابھی کوئی ڈھائی تین گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ ہاتھی گزر چکا تھا اور اب صرف ہاتھی کی دم باقی تھی ۔ اس لئے باقی ماندہ سفر کے بارے میں مجھے کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

ہاں فرینکفرٹ ائیر پورٹ میرے ناپسندیدہ ترین ائیر پورٹوں میں سے ایک ہے۔ میں اس ائیر پورٹ کو ہمیشہ شیطان کی آنت کہتا ہوں۔ اس ائیر پورٹ کا کوئی سر پیر نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر کبھی فرینکفرٹ ائیر پورٹ کو جہاز بدلنے کے لئے استعمال کرنا پڑے تو مجھے اِس سے بہت اُلجھن ہوتی ہے۔ یورپ میں سفر کرتے ہوئے میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ مجھے فرینکفرٹ ائیر پورٹ کو کنکشن کے طور پر کسی صورت استعمال نہ کرنا پڑے۔ یہ ائیر پورٹ نہ صرف شیطان کی آنت کی طرح طویل ہے بلکہ یہ شیطان کی آنت کی طرح ٹیڑھا بھی ہے۔ بعض اوقات فلائٹس کے گیٹ ایک دوسرے سے اتنے دور ہوتے ہیں کہ مسافر چلتے چلتے تھک جاتا

ہے اور دوسرا گیٹ آنے کا نام نہیں لیتا۔ خاص طور پر اگر دو فلائٹوں کے درمیان وقفہ کم ہو تو سمجھیں کہ بس وقتِ شہادت آ پہنچا۔ ایک گیٹ سے دوسرے گیٹ تک جاتے فلائٹ چھوٹ جاتی ہے۔ اِس پر مستزاد فرینکفرٹ ائیرپورٹ والوں کی دو دو تین تین بار گیٹ تبدیل کرنے کی عادت ہے جس پر مسافروں کو "پینڈا کراکر" مارنے کی مثال لاگو ہوتی ہے۔ میرے ساتھ بھی اِس بار فرینکفرٹ ائیرپورٹ پر کچھ ایسا ہی ہوا۔ ایک تو میری فلائیٹوں کے درمیان وقفہ کوئی تین گھنٹے کا تھا۔ اِس پر تین بار گیٹ کی تبدیلی اور پھر دوبارہ سیکورٹی سے گزرنے کے عمل سے خاصا زچ ہوا۔ خدا خدا کرکے یہ مرحلہ ءشوق طے ہوا اور فلائٹ فرینکفرٹ ائیرپورٹ سے ایتھنز کے ایلفا تھوریوزوینی زیلوس ائیرپورٹ کے لئے روانہ ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

ایتھنز کے ائیرپورٹ کا نام جو کہ دراصل یونان کے ایک سابق وزیرِاعظم کے نام پر رکھا گیا ہے کہنے اور سننے میں خاصا دشوار ہے لیکن ائیرپورٹ مناسب ہے۔ اگرچہ مسافروں کو جہاز پر سوار ہونے اور اترنے کے لئے اب بھی زیادہ تر سیڑھیاں اور بسیں استعمال ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود ائیرپورٹ کا ڈیزائن اورآمد و رفت کے مراحل مسافر دشمن یا مسافر کش نہیں ہیں۔ ائیرپورٹ کاڈیزائین اتنا سادہ ہے کہ فوراً سمجھ میں آجاتا ہے اور انسان کو زیادہ کھجل خوار نہیں ہونا پڑتا۔

یونانیوں کے تعمیراتی ڈیزائینوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح اُن کی سوچیں منطقی اصولوں پر منضبط ہوتی ہیں اُن کے تعمیراتی ڈیزائن بھی انسانی فہم کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں اور کوئی بھی عام فہم رکھنے والا انسان اُنہیں آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

یورپین یونین کا ممبر ہونے کی وجہ سے میرے پاسپورٹ پر چونکہ فرینکفرٹ ائیرپورٹ پر داخلے کی مہر لگ چکی تھی اس لئے فرینکفرٹ سے ایتھنز تک میری فلائٹ اندرونی فلائٹ تھی۔ چنانچہ

جیسے ہی جہاز نے ایتھنز ائیر پورٹ پر لینڈ کیا میں امیگریشن کے عمل سے گزرے بغیر ائیر پورٹ سے باہر آ گیا۔

شہر تک جانے کے لئے ائیر پورٹ کے انفارمیشن ڈیسک سے پتہ چلا کہ ہر پندرہ منٹ بعد بس چلتی ہے جو گھنٹے بھر میں ڈاؤن ٹاؤن پہنچا دیتی ہے۔ بس کا کرایہ پانچ یورو ہے۔ خوش قسمتی سے میرا ہوٹل ڈاؤن ٹاؤن میں بس اسٹاپ سے کوئی دو بلاک دور تھا۔ اس لئے میں پانچ یورو ادا کر کے بس میں سوار ہوا اور گھنٹے بھر میں ائیر پورٹ سے اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔

ائیر پورٹ سے ڈاؤن ٹاؤن تک بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری تھی۔ اس لئے بس سے باہر کے زیادہ مناظر نہ دیکھ سکا۔

ایتھنز کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ دیگر یورپی ممالک کی طرح یونان بھی ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ لیکن بعد میں یہ تاثر تبدیل ہو گیا۔ کئی دن کے قیام کے بعد اور یونانیوں سے ملنے ملانے سے اندازہ ہوا کہ یونان یورپ کا حصہ ہونے کے باوجود ثقافتی اعتبار سے قدیم و جدید اقدار کا خوبصورت امتزاج ہے۔

ایتھنز کی وجہ تسمیہ

ایتھنز از منہ قدیم سے یونان کا سب سے طاقت ور اور خوبصورت شہر ہے۔ ایتھنز کے شہریوں نے ہزارہا سال قبل ایسی تہذیب کو جنم دیا جس کے خدوخال ہمیں آج بھی تمام یورپی شہروں میں دکھائی دیتے ہیں۔

یونانی اساطیر کے مطابق ایتھنز کو سیسروپ نے آباد کیا تھا۔ سیسروپ ایک عجیب الخلقت مخلوق تھا۔ اس کا اوپر کا دھڑ انسانی اور نچلا دھڑ سانپ کا تھا۔ اُس نے شہر بسانے کے بعد اِسے سیسروپیا کا نام دیا۔

جب سیسروپیا کی قوت اور شوکت میں اضافہ ہوا تو یونانی دیوتاؤں کو یہ شہر اور اس کا لینڈ اسکیپ اچھا لگا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس شہر کو باقاعدہ ایک نام دیں گے۔

سیسروپیا کو نیا نام دینے کے لئے دیوتا پوسی ڈون جو کہ سمندروں کا دیوتا تھا اور دیوی اتھینا جو کہ عقل کی دیوی تھی کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ دیوتا زیوس نے جب دیوتا پوسی ڈون اور دیوی اتھینا میں کشمکش دیکھی تو اُس نے اُنہیں تجویز کیا کہ وہ دونوں سیسروپیا کو ایک ایک تحفہ دیں گے۔ جس کا تحفہ سیسروپیا کے رہائشیوں کو زیادہ پسند آئے گا اُسی کے نام پر شہر کا نام رکھا جائے گا۔

زیوس کے اِس فیصلہ کے بعد سمندروں کے دیوتا پوسی ڈون نے شہر میں ایک پہاڑی پر پتھر سے ایک چشمہ جاری کیا۔ بدقسمتی سے چشمے کا پانی کھارا تھا۔ جو سیسروپیا کے باسیوں کے کسی کام نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے دیوتا پوسی ڈون کے اس تحفے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

سمندروں کے دیوتا پوسی ڈون کے مقابلے میں عقل کی دیوی اتھینا نے زمین میں ایک بیج بویا۔ اُس بیج میں سے زیتون کا پوداپیدا ہوا۔ سیسروپیا کے شہریوں کو زیتون کا پودااور پھل دونوں اچھے لگے۔ پودے سے اُنہیں جلانے کے لئے لکڑیاں اور پھل سے اُنہیں زیتون کا تیل حاصل ہوا جو ان کی روزمرّہ کی زندگیوں میں انتہائی اہم تھا۔ اِس کے علاوہ وہ اِس پودے کا پھل کھا بھی سکتے تھے۔ انہوں نے عقل کی دیوی اتھینا کے تحفے پر اظہار پسندیدگی کیا۔

اس طرح سیسروپیا کے شہریوں کے کہنے پر دیوتا زیوس نے دیوی اتھینا کے نام پر سیسروپیا کو ایتھنز کا نام دیا۔

ایتھنز کے شہریوں نے اس تحفے کے لئے دیوی اتھینا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اُس کے اعزاز میں شہر میں کئی ٹمپل تعمیر کیے۔ اس کے نام پر شہر میں کئی میلوں کا اہتمام کیا۔ اور اُس کی علامت اُلو کو اپنی کرنسی کے دونوں طرف کندہ کیا۔

ان ٹمپلز میں سے معروف ترین ایکروپولس پر واقع ٹمپلز آف ورجن ہیں جنہیں پارتھینن اور ٹمپر آف اتھینا نائکی کہا جاتا ہے۔

ایتھنز کے بانی کنگ سیسروپ کی ایک تصویر

دیوتا پوسی ڈون

اتھینا دیوی

ایتھنز میں پہلی شام

سیاسی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے بھلے مشرق مغرب سے پیچھے ہو لیکن وقت کے اعتبار سے مغرب مشرق سے پیچھے ہے۔ ہم جب مغرب میں اپنے دن کا آغاز کرتے ہیں تو ہندوستان اور پاکستان کے لوگ وہ دن گزار کر سونے کے لئے اپنی خواب گاہوں کا رخ کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم جب مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہیں تو یورپ تک آتے آتے ہمارا ایک دن اور رات اٹلانٹک کے پانیوں میں گم ہو جاتے ہیں اور ہمارے حصے اگلے دن کا کچھ حصہ آتا ہے۔

میں سان فرانسسکو سے سوموار کی دوپہر روانہ ہوا تھا۔ ایتھنز پہنچا تو منگلوار کی شام کے چھ بج رہے تھے۔

ائیر پورٹ سے چل کر بس مختلف اسٹاپوں پر رُکتی کوئی گھنٹہ بھر میں ایتھنز کے وسط میں سنتگما اسکوائر کے اسٹاپ پر آکر رُکی۔ یہ اِس بس کا آخری اسٹاپ تھا۔ سنتگما اسکوائر یونان کی پارلیمنٹ بلڈنگ کا محلِ وقوع ہے۔

یہ بلڈنگ کسی زمانے میں رائل پیلس ہوتا تھا۔ لیکن اب یہاں پر پارلیمنٹ کے اجلاس ہوتے ہیں۔

یونان کی پارلیمنٹ یک ایوانی پارلیمنٹ ہے جس کے تین سو ممبر ہیں جو ۵۶ مختلف حلقوں سے متناسب نمائندگی کے اصول کے تحت منتخب ہو کر آتے ہیں۔

میں نے بس سے اتر کر پارلیمنٹ کی بلڈنگ پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر بس سے اترنے والی ایک خاتون سے ہوٹل کا راستہ پوچھ کر ہوٹل کی طرف چل پڑا۔

بس اسٹاپ سے ہوٹل چند قدم کے فاصلے پر تھا اس لئے میں چند منٹ میں ہوٹل پہنچ گیا۔ سنٹرل ہوٹل ایتھنز کے وسطی علاقے پلاکا میں ایک تنگ سڑک پر واقع ہے۔

ہوٹل میں چیک اِن کرکے تھوڑی دیر لیٹ کر سفر کی تھکاوٹ دور کی۔ پھر ہوٹل کی لابی میں جا کر قریبی ریستورانوں کا پتہ کیا۔ پتہ چلا ایک ہندوستانی ریستوران بالکل ہوٹل کے پہلو میں واقع ہے۔ اُس وقت یہی مناسب سمجھا کہ اسی ہندوستانی ریستوران پر جا کر ڈنر کیا جائے اور پھر واپس ہوٹل آکر آرام کیا جائے۔

چنانچہ ہوٹل سے نکل کر ریستوران پہنچا اُس کا نام انڈین کچن تھا۔ انڈین کچن تیس پینتیس سیٹوں پر مبنی ریستوران تھا جس میں اُس وقت آٹھ دس یونانی بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔

انڈین کچن میں داخل ہوتے ہی ایک اٹھارہ انیس برس کے نوجوان لڑکے نے مجھے خوش آمدید کہا۔

استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ لاہور کا رہنے والا ہے۔ دو سال سے ایتھنز میں رہ رہا ہے اور اسی ریستوران میں کام کر رہا ہے۔ ریستوران کا مالک بھی ایک پاکستانی ہے۔ اس کے علاوہ ایک نوعمر یونانی لڑکی بھی ریستوران میں کام کر رہی تھی۔ یہ یونانی لڑکی انڈین کچن کی مینیجر تھی۔

پاکستانی لڑکے کا نام شاہد تھا۔ اُس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور اُس کا کام کا ماحول دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں جانتا تھا کہ کس طرح نوعمر لڑکے اپنے والدین کی معاشی مجبوریوں اور پاکستان میں اپنے مستقبل کی عدم یقینی کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑ کر یونان اور اسپین آ رہے تھے اور اُن کو اِن ممالک میں کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

بہر حال میں انڈین کچن سے ڈنر کر کے واپس ہوٹل چلا آیا۔ جہاز کے سفر اور وقت کے فرق کی وجہ سے ایک دن اور رات کے ضائع ہونے کی وجہ سے جلد نیند آ گئی۔ اس طرح ایتھنز میں میرا پہلا دن یا یہ کہیں کہ پہلی شام تمام ہوئی۔

ایتھنز میں یونانی پارلیمنٹ کی بلڈنگ

پارلیمنٹ کے سامنے گارڈوں کی تبدیلی کی پریڈ

ایتھنز میں دوسرا دن

اگلی صبح آٹھ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو کھڑکی سے سورج کی روشنی ہلکے پردوں سے چھن کر کمرے کے اندر آرہی تھی۔

سان فرانسسکو سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے ایتھنز میں دیکھنے والی جگہوں کی ایک فہرست بنالی تھی۔ اگر سفر پر روانگی سے قبل سیاحت کے لئے مطلوبہ جگہوں کا پہلے سے اندازہ ہو تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کم وقت میں زیادہ دیکھ سکتا ہے۔

چنانچہ صبح غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کے بعد میں نے جلدی سے دوسرے فلور پر واقع ہوٹل کے ریستوران میں جا کر ناشتہ کیا اور پیدل چل کر سنتگما اسکوائر پر واقع پارلیمنٹ کی بلڈنگ کے سامنے چلا آیا۔

رات مجھے کسی نے بتایا تھا کہ پارلیمنٹ کے سامنے ہر دو گھنٹے بعد گارڈ بدلنے کی تقریب ہوتی ہے۔ میں لندن میں ایسی ہی تقریب کئی بار دیکھ چکا تھا۔ سوچا کیوں نہ ایتھنز کی پارلیمنٹ کے باہر گارڈ بدلنے کی تقریب بھی دیکھی جائے۔ خوش قسمتی سے پارلیمنٹ کے سامنے پہنچتے ہی گارڈوں کی تبدیلی کی تقریب شروع ہو گئی۔

میں سوچ رہا تھا کہ لندن کی طرح یہاں بھی گارڈ بدلنے کی تقریب پر شکوہ ہو گی۔ گارڈوں کا ایک دستہ خوش رنگ وردیوں میں ملبوس، بینڈ کے ساتھ مارچ کرتا ہوا آئے گا۔ نئے گارڈ پرانے گارڈوں کی جگہ لیں گے۔ لیکن یہ ایک انتہائی سادہ تقریب تھی۔ جس میں بینڈ تھے نہ باجے۔ نہ مارچ کرتے ہوئے خوش رنگ وردیوں میں ملبوس بہت سے گارڈ۔

بس تین مسلح گارڈ بائیں ہاتھ میں بندوق اٹھائے مارچ کرتے پارلیمنٹ کی بلڈنگ کے سامنے پہنچ گئے۔

اُن کے افسر نے اُن کی بندوقوں کے آگے لگی سنگینوں کی دھار اپنے ہاتھ سے چیک کی۔ وہ مارچ کرتے بلڈنگ کے سامنے بنی دو پوسٹوں پر گئے۔ انہوں نے پوسٹوں پر اپنی جگہیں سنبھالیں۔ جس طرح نئے گارڈ پریڈ کرتے آئے تھے اُسی طرح پرانے گارڈ پریڈ کرتے اپنے افسر کو سیلوٹ کر کے چلے گئے۔

اس طرح میں نے اپنے اگلے دن کا آغاز پارلیمنٹ کے سامنے گارڈوں کی تبدیلی کی پھیکی اور بے رنگ پریڈ دیکھ کر کیا۔ میری طرح اور بھی بہت سے سیاح پریڈ دیکھنے کے لئے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ پریڈ دیکھنے کے بعد اُن کے چہروں کے تاثرات بھی میرے تاثرات سے کچھ مختلف نہیں تھے۔

پریڈ سے فارغ ہو کر میں نے سڑک پر کھڑی ایک ٹیکسی والے سے ایکروپولس چلنے کے لئے کہا۔ ٹیکسی پر سوار ہونے سے پہلے اُس سے ایکروپولس جانے کا کرایہ پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ایکروپولس جانے کے پانچ یورو لے گا۔ اگرچہ مجھے سنتگما اسکوائر سے ایکروپولس کے فاصلے کا صحیح اندازہ نہیں تھا اس کے باوجود مجھے پانچ یورو مناسب کرایہ دکھائی دیا۔

تمتماتی دھوپ میں کئی میل پیدل چلنے سے بہتر تھا کہ ٹیکسی پر چلا جائے۔ وقت اور جسمانی توانائی بچائی جائے اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ جگہیں سکون اور اطمینان سے دیکھی جائیں۔ چند میل گئے ہوں گے کہ ایک قدیم گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹیکسی والے نے بتایا کہ اِس گیٹ کے اندر ٹمپل آف زیوس ہے۔ ٹمپل آف زیوس بھی میری دیکھنے والی جگہوں کی فہرست پر تھا۔ پہلے میں نے سوچا وہاں رک جاؤں اور ٹمپل آف زیوس دیکھ کر ایکروپولس

جاؤں۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اب پلان تبدیل کرنا ٹھیک نہیں ۔ پہلے ایکروپولس ہی چلنا چاہئے۔

میں جانتا تھا کہ ایکروپولس پر ایک ہی جگہ تین چار تاریخی شاہکار ایستادہ ہیں ان کو ایک ہی وقت میں دیکھ کر میں اپنی سیاحت کا ایک اہم حصہ پورا کر سکتا ہوں۔ اِس لئے میں نے ٹیکسی والے سے درخواست کی کہ وہ ایکروپولس کی طرف سفر جاری رکھے۔

چند منٹوں بعد ٹیکسی والے نے مجھے ایک پہاڑی کے اوپر جاتے ہوئے راستے کے سامنے اتارتے ہوئے کہا کہ یہی میری مطلوبہ منزل ہے۔ میں نے دیکھا سامنے پہاڑی کے اوپر پار تھینن اور دیوی اتھینا کا ٹمپل اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ ایستادہ تھے۔

بہت سے لوگ پتھروں کے بنے پہاڑی راستے پر چلتے اُن ٹمپلز کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے ٹیکسی والے کو شکریے کے ساتھ پانچ یورو ادا کیے اور ٹمپلز آف ورجن کی سیاحت کے لئے جانے والے لوگوں کی قطار میں شامل ہو گیا۔

تھوڑی دور جا کر جہاں ٹمپل کی طرف اصل چڑھائی شروع ہوتی تھی ایک ٹکٹ گھر بنا تھا۔ ٹکٹ گھر میں تین اسمارٹ لڑکیاں بڑی تیزی سے سیاحوں کو ٹکٹ بیچ رہی تھیں۔ میں نے بھی قطار میں کھڑے ہو کر ٹمپل میں داخلے کے لئے ۱۲ یورو کا ٹکٹ خریدا اور ٹمپل کی طرف چڑھائی شروع کر دی۔ ویسے ٹمپلز آف ورجن دیکھنے کے لئے ٹکٹ ڈھائی یورو کا بھی خریدا جا سکتا تھا۔ ڈھائی یورو کا ٹکٹ صرف انہی ٹمپلز کے لئے تھا۔ جبکہ ۱۲ یورو کا ٹکٹ خرید کر ان ٹیمپلز کے علاوہ ٹیمپل آف زیوس اور ٹیمپل آف اپالو اور چھ دیگر تاریخی مقامات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ٹکٹ جیب میں رکھ کر جیسے ہی میں نے ایکروپولس پر چڑھائی شروع کی تھوڑا اوپر جا کر پہلے دائیں ہاتھ پر ڈائنوسوس کا تاریخی تھیٹر دکھائی پڑا۔ ڈائینوسوس نے یہ تھیٹر چھٹی صدی قبل مسیح میں

ایکروپولس کی ڈھلان پر تعمیر کیا تھا۔ ڈائنوسوس کے اِس تھیٹر میں پہلا ڈرامہ ۵۳۴ قبل مسیح میں اسٹیج کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں چھٹی صدی قبل مسیح میں تین ایسے ہی تھیٹر تعمیر کیے گئے تھے جن میں سے ڈائنوسوس کا ایکروپولس کی ڈھلان پر واقع یہ تھیٹر قدیم ترین ہے۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اِس وقت تھیٹر کا اسٹیج ختم ہو چکا ہے لیکن تین اطرف میں بیٹھنے والی سیڑھیاں ابھی بھی اچھی حالت میں ہیں۔ تھیٹر کا اسٹرکچر اور ڈیزائین حیران کن ہے۔ تھیٹر دیکھنے والا حیرت میں گم ہو کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں اس طرح کے تھیٹر کی تعمیر کیونکر ممکن ہوئی۔

ڈائینوسوس کے تھیٹر سے ایکروپولس پر مزید اوپر چڑھیں تو ایک مقام پر جا کر کشادہ سیڑھیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سیڑھیوں کا یہ سلسلہ متعدد چونے کے بنے دو رویہ پتھروں کے کالموں پر ختم ہوتا ہے۔ کالموں کے درمیان بنا راستہ ایک قسم کا پیرا نتھنن اور دیوی اتھینا کے ٹیمپل کے ایریئے میں داخلے کی جگہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پیرا نتھنن یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کنواری۔ یونان کی اساطیری روایات کے مطابق دیوی اتھینا نے کبھی شادی نہیں کی تھی۔ جس کی وجہ سے اُس کے اعزاز میں تعمیر کیے گئے پیرا نتھنن اور دوسرے ٹیمپل کے لئے بعض اوقات ٹیمپلز آف ورجن کی اصطلاع بھی استعمال کی جاتی ہے۔

دیوی اتھینا کی پیدائش کی کہانی بھی بہت دلچسپ اور عجیب ہے۔ اتھینا دیوتا زیوس اور دیوی میٹس کی بیٹی تھی۔ دیوتا زیوس تمام یونانی دیوتاؤں کا بادشاہ تھا۔ دیوی میٹس فنون اور دانش کی دیوی تھی۔

ایکروپولی میں تھیٹر کے سامنے کا منظر

ایکرپولی میں تھیٹر کی سیڑھیوں کا منظر

پشین گوئی کرنے والوں نے پشین گوئی کی تھی کہ اگر دیوتا زیوس نے دیوی میٹس میں سے بیٹے کو جنم دیا تو وہ دیوتا زیوس کو دیوتاؤں کی بادشاہت سے معزول کر دے گا۔
چنانچہ زیوس دیوتا نے مکاری سے کام لیتے ہوئے پہلے میٹس دیوی کو مکھی میں تبدیل کر دیا اور پھر اُسے نگل گیا۔ اساطیری روایت کے مطابق جب زیوس دیوتا نے مکھی بنی میٹس دیوی کو نگلا تو وہ اس سے بہت پہلے حاملہ ہو چکی تھی۔ چنانچہ میٹس دیوی کو مکھی کی شکل میں نگلنے کے بعد زیوس دیوتا کے سر میں شدید درد رہنے لگا۔
جب زیوس دیوتا کے سر کا درد اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا تو اُس نے ایک اور دیوتا کو جس کا نام ہرمت تھا حکم دیا کہ وہ اُس کے سر کو کھولے اور تسلسل سے جاری رہنے والے درد کا سبب معلوم کرے۔
ہرمت دیوتا نے معائنے کے لئے جیسے ہی زیوس دیوتا کا سر کھولا اتھینا لپک کر باہر آ گئی۔
اتھینا جوان تھی اور خوبصورت بھی۔ اساطیری روائت کے مطابق جوان اور خوبصورت ہونے کے باوجود اتھینا نے کبھی شادی نہیں کی۔ نہ ہی کبھی کسی دیوتا کے ساتھ اُس کی محبت کا کوئی قصہ سنا گیا۔ ایک اُلو جو کہ مغربی تہذیب میں دانش کی علامت سمجھا جاتا ہے اور جو اندھیرے میں بھی دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایک مددگار دیوی جس کا نام نائکی ہے ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے۔ یونانی زبان میں نائکی کا مطلب ہوتا ہے فاتح۔ اسی وجہ سے اتھینا کے نام کے ساتھ ہمیشہ نائکی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
یونانی اساطیر میں اتھینا کو عقل اور جنگ کی دیوی سمجھا جاتا ہے۔ دیوی اتھینا براہِ راست جنگ میں حصہ نہیں لیتی بلکہ جنگ میں اُس کا کردار جنگ کی حکمتِ عملی طے کرنا ہوتا ہے۔

ایکروپولس پر واقع ٹیمپل چھٹی صدی قبل مسیح میں دیوی اتھینا کے اعزاز میں تعمیر کیے گئے۔
دائیں ہاتھ پر واقع ٹیمپل کو پارتھینن جب کہ بائیں ہاتھ پر واقع ٹیمپل کو ٹیمپل آف اتھینا کہا جاتا ہے۔
ٹیمپل پارتھینن کو کسی زمانے میں عیسائیوں نے چرچ اور ترکوں نے مسجد کے طور پر بھی استعمال کیا۔
لیکن اب نہ اُس میں چرچ اور نہ مسجد کی علامات باقی ہیں۔ جب یونانیوں نے ترکوں کے یونان پر صدیوں پر محیط اقتدار کے خلاف بغاوت کی تو روایات میں ہے کہ یونانیوں کے خیال میں ترک اسے بارود خانہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے یونانیوں نے پارتھینن پر گولہ باری کی جس سے پارتھینن کا بڑا حصہ تباہ ہوا لیکن اس کے کالم اب بھی اپنی جگہ کھڑے ہیں۔ اب کافی حد تک اِس کی مرمت کر کے اِسے بحال کر دیا گیا ہے لیکن تا حال یہ مکمل بحالی سے بہت دور ہے۔
پرانتھینن کے کالموں کے اوپر یونانی دیوتاؤں کے مجسمے بنے ہوئے تھے جن میں سے ایک مجسمہ اب برٹش میوزیم میں ہے جبکہ باقی کے مجسمے ایکروپولس کے پاس ہی واقع ایکروپولس میوزیم میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔ ایکروپولس میوزیم پارتھینن ٹیمپلز سے متعلقہ نوادرات کی حفاظت اور نمائش کے لئے بنایا گیا ہے۔
ایکروپولس میں ٹیمپلز تک جانے کے لئے چڑھائی اور پھر واپسی پر اُترائی خاصا دشوار کام ہے۔
ایکروپولس پر چڑھائی اور اُترائی سے میں خاصا تھک گیا تھا لیکن اِس کے باوجود ایکروپولس میوزیم جانا بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا ایکروپولس پر واقع ٹیمپلز آف ورجن کی زیارت کرنا۔

ایکروپولی میں داخلے کے راستے پر بنے پلرز

ایکرپولی کے داخلے کے راستے پر ایک ٹوٹا ہوا پلر

ایکروپولس سے نیچے اترتے ہی مجھے ایک کیفے دکھائی دیا۔ میں تھوڑا سستانے اور دم لینے کے لئے کیفے میں بیٹھ گیا۔ کیفے کا مالک ایک طویل القامت ادھیڑ عمر یونانی تھا۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتا تھا اس لئے چائے پیتے ہوئے اُس کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ ہوئی۔ یونان کے یورپین یونین کا حصہ بننے کے پہلے کے حالات و واقعات اُس سے پوچھے۔ وہ یونان کے یورپین یونین کا حصہ بننے سے بہت ناخوش تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ یونان کو یورپین یونین کا حصہ بننے سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اُس کا کہنا تھا کہ یورپین یونین کا حصہ بننے سے قبل یونان کی معاشی حالت بہتر تھی۔ ملک میں امن وامان تھا۔ قیمتیں مناسب تھیں۔ ہر انسان خوشحال اور مطمئن تھا۔ یونان کی کرنسی مضبوط تھی۔ لوگوں پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں تھا۔ لیکن یورپین یونین کا حصہ بننے کی وجہ سے سب کچھ بدل گیا ہے۔ عام آدمی پر دباؤ بڑھ گیا ہے۔ اشیاءِ ضروریہ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ یورو نے یونان کی داخلی معیشت کو برباد کر دیا ہے۔ اب یونان چیزوں کی درآمد و برآمد میں آزاد نہیں ہے۔ اُسے درآمد و برآمد میں یورپین یونین کے رہنما اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

وہ یونان میں ہونے والے اولمپک گیمز کے بارے میں بھی خاصا تلخ دکھائی دیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ اولمپک گیمز کی وجہ سے یونان میں مہنگائی میں اضافہ ہوا۔ اولمپک ہوئے کئی سال بیت گئے لیکن اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ جوں کا توں قائم ہے۔

میں کوئی گھنٹہ بھر اُس کے کیفے میں بیٹھا اُس سے یونان کے حالات پر گفتگو کرتا رہا۔ اِس دوران اگر کوئی گاہک آجاتا تو وہ اُس کو مطلوبہ سامان فروخت کر کے پھر میرے پاس کھڑا ہو جاتا۔

گھنٹہ بھر ستانے اور چائے پینے کے بعد مجھ میں اتنی انرجی آگئی کہ میں آسانی سے پیدل چل کر کوئی ایک بلاک نیچے اسی سڑک پر واقع ایکروپولس میوزیم کے اندر جاکر وہاں رکھے نوادرات دیکھ سکتا۔

کہتے ہیں یونان کا ۸۵ فیصد علاقہ اونچی نیچی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ ویسے تو میرے رہائشی شہر سان فرانسسکو کی صورتِ حال بھی یہی ہے۔ سان فرانسسکو میں بھی پیدل چلتے ہوئے انسان کو بہت سی اونچی نیچی سڑکوں پر چلنا پڑتا ہے۔ لیکن ایتھنز میں مسلسل اترائی چڑھائی انسان کو تھکا دیتی ہے۔

کیفے سے اُٹھ کر میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ایکروپولس میوزیم پہنچا تو وہاں بہت رش تھا۔ نہ صرف بیرونی دنیا سے آنے والے سیاحوں کی بہت بڑی تعداد میوزیم کے نوادرات دیکھنے کے لئے موجود تھی بلکہ یونانی اسکولوں کے بہت سے بچے بھی میوزیم آئے ہوئے تھے۔ بچوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یونانیوں کو اپنی تاریخ اور تہذیب سے بہت دلچسپی ہے۔

میوزیم میں بچوں کے ساتھ آئے چند اساتذہ سے گفتگو سے پتہ چلا کہ یونانی اپنے اسکولوں میں اپنے بچوں کو باقاعدہ اپنی مائتھالوجی کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے بچوں کو اُن کے اساطیری دیوتاؤں کے بارے میں علم ہو۔ تاہم اُن کے نقطہ نظر کے مطابق دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ بچوں کو مائتھالوجی کو بطور مائتھالوجی پڑھاتے ہیں اُسے اول و آخر حقیقت بنا کر بچوں کے ذہنوں پر سوار نہیں کرتے۔ یہ ایک صحت مند رجحان ہے۔ جس کی باقی ملکوں میں مذہب کی تعلیم دینے والوں کو بھی پیروی کرنی چاہئے۔ مذہبی روایات کو مائتھالوجی کے طور پر پڑھانے سے لوگوں میں انتہاپسندانہ رجحانات کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔

ایکروپولس میوزیم تین منزلہ عمارت میں واقع ہے۔ عمارت کشادہ اور خوبصورت انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ عمارت کے نیچے وہاں پائے جانے والے کھنڈرات کی باقیات ہیں۔ میوزیم کے زمینی فلور میں موٹے شیشے لگے ہیں جن پر چلتے پھرتے آپ کو زیرِ زمین واقع کھنڈرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔ میوزیم کے زمینی فلور میں لگے شیشوں پر چلتے ہوئے زیرزمین کھنڈرات دیکھنا میرے لئے ایک دلچسپ تجربہ تھا۔

یہ سلسلہ میوزیم میں داخلے سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ تاہم میوزیم کی عمارت میں داخلے سے پہلے جنگلہ لگا کر کچھ کھنڈرات کو ایسے ہی کھلا چھوڑا دیا گیا ہے۔ اس حصے میں کھنڈرات میں کنویں کی طرح کے دو گول گڑھے دکھائی پڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک کنویں میں لوگ پیسے بھی پھینکتے ہیں۔ پیسے کیوں پھینکتے ہیں میں نے ایک دوپاس کھڑے حضرات سے اِس کی وجہ جاننے کی کوشش کی لیکن انگریزی سے اُن کی ناواقفیت آڑے آئی۔ میں نے بھی اپنی جیب سے ایک سکہ نکال کر کنویں میں پھینکا لیکن وہ کنویں کے باہر ہی گر گیا۔ پاس کھڑی ایک لڑکی میرا نشانہ خطا جانے پر مسکرائی لیکن اُس نے کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے گریز کیا۔

ایکروپولس میوزیم کے نچلے فلور پر زیرزمین کھنڈرات کے سوا کچھ نہیں۔ نچلے فلور کے اختتام پر بائیں طرف چھ سات سیڑھیاں آپ کو دوسرے فلور پر لے جاتی ہیں۔ سیڑھیوں میں بھی شیشے لگے ہیں جن کے نیچے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے انسان کو ہلکی سی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

دوسرے فلور پر جاتے ہی آپ کی نظر پارتھینن سے اٹھائے ہوئے مجسموں پر پڑتی ہے۔ یہ زیادہ تر یونانی دیوتاؤں کے مجسمے ہیں۔

زیادہ تر مجسمے انتہائی عمدہ حالت میں ہیں۔ مجھے دوسرے فلور پر بائیں جانب ایک مجسمہ دکھائی دیا جس کا اوپر کا دھڑ انسانی لیکن نچلا دھڑ سانپ کا تھا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہی دیوتا سیسروپ کا مجسمہ ہے جس نے ایتھنز کا شہر آباد کیا تھا۔

میں نے دیوتا سیسروپ کی تصویر بنانے کے لئے کیمرہ اوپر اٹھایا تو ڈیوٹی پر کھڑے ایک نوجوان نے مجھے تصویر کشی سے منع کر دیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ فلیش لی لائٹ مجسموں کے لئے نقصان دہ ہے اس لئے اس فلور پر تصویر کشی منع ہے۔

پھر اس نے مجھے اپنی ویب آرکائیو کا پتہ دیا اور کہا کہ میں چاہوں تو ویب پر ایک فارم بھر کر اُن کی اجازت سے اپنی مطلوبہ تصویر ڈاؤن لوڈ کر سکتا ہوں۔

میں دوسرے فلور پر رکھے مختلف یونانی دیوتاؤں کو دیکھتا تیسرے فلور پر پہنچا تو وہاں سامنے ایک چھوٹا سا تھیٹر بنا تھا جس میں پارتھینن کی تاریخ پر ایک فلم چل رہی تھی۔

فلم انگریزی میں بھی تھی اور یونانی میں بھی۔ جب انگریزی فلم چلتی تو فلم پر یونانی کیپشنز دکھائی دیتے۔ جب یونانی فلم چلتی تو انگریزی کیپشنز دکھائی دیتے۔

میں نے اس تھیٹر میں بیٹھ کر فلم کے انگریزی اور یونانی ایڈیشن دیکھے۔ فلم میں پارتھینن کی چھٹی صدی قبل مسیح میں تعمیر سے لیکر موجودہ دور میں اس کی بحالی کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کی تفصیل بتائی گئی تھی۔

تھیٹر کے بالکل سامنے شیشے میں اصل پارتھینن کا ایک ماڈل رکھا تھا۔ دائیں طرف پارتھینن میں رکھے دیوتاؤں کے ماڈل رکھے تھے جبکہ بائیں طرف ان کی سواریوں کے ماڈل تھے۔

ان کی تصاویر کشی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لہٰذا وہاں کھڑے ہو کر میں نے اُن ماڈلز کی کئی ایک تصاویر بنائیں۔

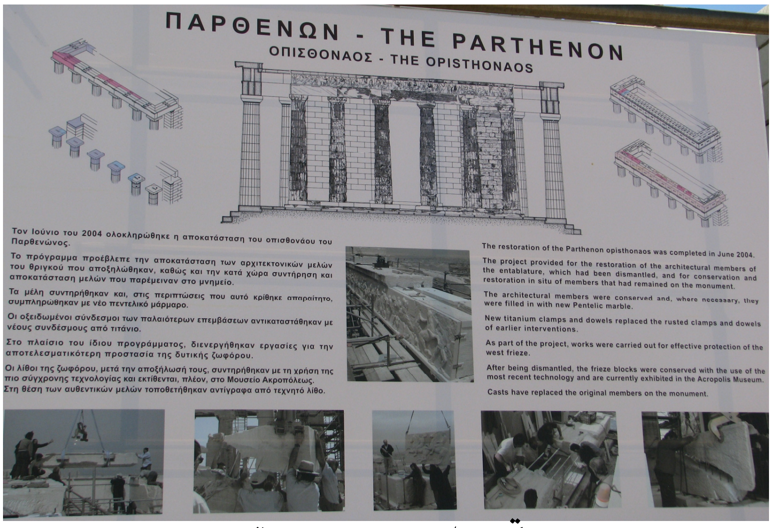

پارتھینن ٹمپل کے بارے میں لگی تختی

ایکروپولی پر بنا پارتھینن ٹمپل

مصنف پار تھینن ٹمپل کے سامنے

ایکروپولی پر بنا اتھینا دیوی کا ٹمپل
یہ ٹمپل پارتھینن ٹمپل کے بائیں ہاتھ بنایا گیا ہے

میوزیم دیکھنے کے بعد باہر نکلا تو میوزیم کے لان میں ایک طرف مجھے زیتون کا ایک چھوٹا سا باغ دکھائی دیا۔

زیتون کا یہ سرسبز باغ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ میں نے اُس باغ میں کھڑے زیتون کے پودوں کی کئی تصاویر اُتاریں۔

میوزیم میں زیتون کے باغ والی سمت سے باہر نکلا تو سامنے کی سڑک پر ایک بہت سے ریستوران نما بار تھے۔ جہاں بیٹھے لوگ اپنی پسند کے مشروبات پینے میں مصروف تھے۔

ایک نوعمر لڑکی اکارڈین بجا رہی تھی۔ چند لمحے وہاں کھڑے ہو کر اکارڈین سنا۔ چند سکے جیب سے نکال کر اس کے ڈبے میں پھینکے اور یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ گیا کہ اتنی چھوٹی بچی اکارڈین بجا رہی ہے اور یہاں آس پاس اس کا کوئی بزرگ نہیں۔ کیا اسے اکیلے میں ڈر نہیں لگتا۔ آنے والے دنوں میں میں نے دیکھا کہ ایتھنز میں کئی چھوٹی چھوٹی بچیاں ریستورانوں میں کھانا کھانے والوں کے پاس آ کر کچھ نہ کچھ مانگنا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک یورپی ملک میں مجھے یہ منظر کچھ عجیب لگا۔ لیکن زندگی کی تلخیاں کسی نہ کسی شکل میں ہر جگہ موجود ہوتی ہیں۔ یونان کے رہنے والوں کو بھی ان میں سے وافر حصہ ملا ہے۔

اس سڑک سے نیچے اترا تو سامنے زیوس کا ٹمپل دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن میں نے زیوس کے ٹمپل کی سیاحت اگلے دن پر موقوف رکھی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل واپس چلا آیا۔

ایکروپولی میوزیم میں زیرزمین کھنڈر

ایکروپولی میوزیم میں زیرِ زمین کھنڈر کا ایک اور منظر

ایکروپولی میوزیم میں ایک اور زیر زمین کھنڈر کا منظر

ایکروپولی میوزیم کے داخلے پر زیر زمین کھنڈر کا منظر

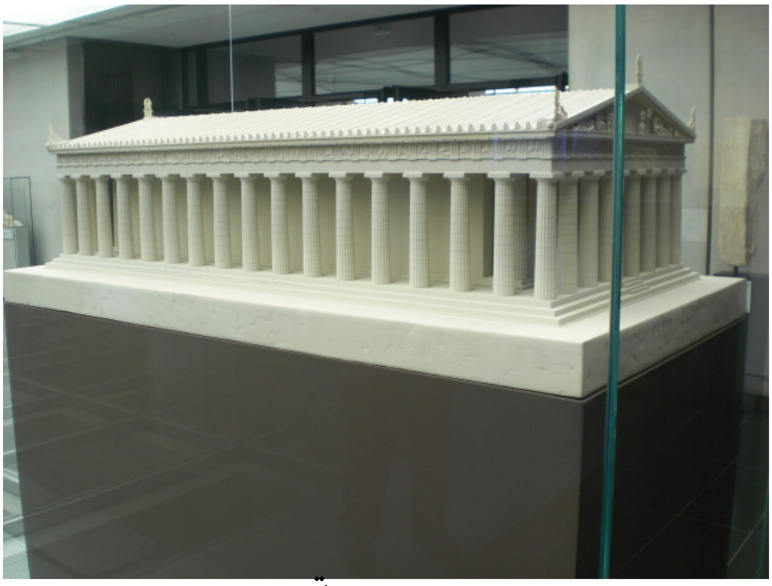

ایکروپولی میوزیم میں رکھا پارتھینن کا ماڈل

ایکروپولی میوزیم میں رکھا پارتھینن سے لائے گئے دیوتاؤں کا ماڈل

ایکروپولی میوزیم میں رکھا پارتھینن سے لائے گئے دیوتاؤں کا ایک اور ماڈل

ایکروپولی میوزیم کے دائیں لان میں لگائے گئے زیتون کے پودے

ایتھنز میں تیسرا دن

مجھے ایتھنز آئے دو دن ہو چکے تھے۔ ایکروپولس ایتھنز میں سیاحوں کی سب سے اہم منزل ہے۔ پوری دنیا سے ایتھنز آنے والے سیاح پہلے ایکروپولس جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر کسی اور منزل کا رُخ کرتے ہیں۔ میں نے بھی کل کا دن ایکروپولس کی سیاحت پر صرف کیا تھا۔

یونان روانہ ہونے سے پہلے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ سب سے پہلے سقراط کی جیل جاؤں گا اور سچ کے اِس عظیم پیغامبر کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کروں گا۔ پھر قدیم اگورا جاؤں گا جہاں وہ لوگوں سے مباحثہ کیا کرتا تھا۔ جہاں اُس نے اپنی زندگی کا اپنے الزام لگانے والوں کے خلاف آخری معرکہ لڑا تھا۔ وہاں چند لمحوں کے لئے اپنے حسیاتی وجود سے اس کی آواز کے سایوں کی سرسراہٹ محسوس کروں گا۔ اپنے دل کے کانوں سے اُس کے شاگردوں کے ساتھ اُس کی گفتگو سنوں گا۔ اگر ہو سکا تو خود بھی اُس سے سوال وجواب کروں گا۔ اُس کی قبر تلاش کروں گا۔ اگر اُس کی قبر مل گئی تو وہاں خاموش بیٹھ کر سچ کے ساتھ اس کی محبت اور اُس کی قربانی کو یاد کروں گا۔

مجھے ایتھنز آئے دو دن ہو چکے تھے لیکن میں نے ابھی تک نہ تو اُس جیل تلاش کی تھی جہاں اُسے قید رکھا گیا تھا اور نہ اُس کی قبر کا پتہ چلایا تھا۔

ایسا نہیں کہ میں نے ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے کئی لوگوں سے اُس کی جیل اور قبر کا پتہ پوچھا لیکن ابھی تک مجھے کسی سے کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا۔

رات میں نے اپنے ہوٹل کی نوجوان ریسپشنسٹ سے بھی سقراط کی جیل اور قبر کے بارے استفسار کیا تو اُسے اِس کے بارے میں مکمل طور پر لاعلم پایا۔

اُس نے میری موجودگی میں اِدھر اُدھر چند فون کیے لیکن اُسے کہیں سے تسلی بخش جواب نہ ملا۔

ریسپشنسٹ کے ذہن کو مہیج دینے کے لئے میں نے اُس سے پوچھا کہ سقراط کے زمانے میں یونانی اپنے مُردوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے۔اُس نے بتایا کہ یونان میں عیسایت کے پھیلنے سے بہت پہلے بھی مُردوں کو دفنایاجاتا تھا۔

اُس نے اِس ضمن میں مجھے ایک انتہائی دل چسپ بات بتائی۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ مردوں کے ساتھ ضرورت کا سامان دفنانا قدیم مصری تہذیب میں شامل رہاہے۔ لیکن اُس نے یونانیوں کی ایک عجیب رسم کی نشاندہی کی تھی۔

اُس نے مجھے بتایا کہ اُس دور میں لوگ مردوں کو دفن کرتے وقت اُن کی دونوں آنکھوں پر سکے رکھا کرتے تھے۔ سکے رکھنے کی وجہ اُن کا یہ تصور تھا کہ مرنے والوں کو کچھ غیر مرئی مخلوقات اِس دنیا سے دوسری دنیا میں لے جاتی ہیں۔ وہ سکے ان کے عوضانے کے لئے رکھے جاتے تھے تاکہ وہ مرنے والے کو بلا تردّد دوسری دنیا میں پہنچادیں۔

وہ مجھے ازمنہ ءقدیم میں یونانیوں کا اپنے مُردے دفنانے کا طریقہ بتارہی تھی اور میرے چہرے پر مسلسل حیرانی کے سائے اُبھر اور ڈوب رہے تھے۔ مجھے یہ سن کر تعجب ہورہا تھا کہ یونانی جو کہ کسی الہیاتی مذہب سے ناآشنا تھے کس طرح اُن میں بھی ایک دوسری دنیا کا تصور پایا جاتا تھا۔

ریسپشنسٹ سے مجھے سقراط کی جیل اور قبر کا پتہ تو نہ چل سکا لیکن مردے دفنانے کے بارے میں ایک عجیب رسم کا ضرور پتہ چلا۔ چنانچہ ہوٹل کی

ریسپشنسٹ سے کوئی واضح جواب نہ ملنے کی وجہ سے میں نے سقراط کی جیل اور قبر کو تلاش کرنے کا کام اگلی صبح ٹیکسی ڈرائیوروں پر چھوڑ دیا۔

اگلے دن علی الصبح روز مرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر میں نے اپنے سفر کا آغاز آرکیالوجی میوزیم سے کیا۔ علی الصبح آرکیالوجی میوزیم جانے کا سبب بھی دراصل سقراط کی جیل اور قبر کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آرکیالوجی میوزیم کے انفارمیشن ڈیسک سے مجھے اُس کی جیل اور قبر کا پتہ چل جائے گا۔

میں اپنے ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی لے کر آرکیالوجی میوزیم پہنچا تو صبح کے دس بج رہے۔ میں نے پانچ یورو ادا کر کے میوزیم کا ٹکٹ خریدہ اور میوزیم کے اندر چلا گیا۔ پہلا سیکشن قدیم یونان میں استعمال ہونے والے برتنوں کا تھا۔ زیادہ تر برتن مٹی کے بنے تھے۔ یہ تعجب انگیز بات تھی کہ جس تہذیب کے فرزند چار پانچ سو سال قبل مسیح میں ڈائینو سوس کا اسٹیڈیم، پارتھینن، دیوی اتھینا اور دیوتا زیوس کے ٹمپلوں جیسے شاندار اسٹرکچر کھڑے کر رہے تھے عام استعمال کے گھریلو برتنوں میں ابھی بھی زیادہ تر مٹی کے برتن استعمال کرنے کے عادی تھے۔ کانسی کے برتنوں کی ساخت میں بھی جمالیت کے پہلو کی بجائے افادیت کا پہلو غالب دکھائی پڑتا تھا۔ برتنوں کے سیکشن میں مجھے چند ایک صراحیاں دکھائی دیں جن پر نقش و نگار بنے تھے۔

برتنوں سے آگے یونانی دیوتاؤں کا سیکشن تھا جس میں مختلف دیوتاؤں کے مجسمے رکھے گئے تھے۔ اُن میں سب سے نمایاں مجسمہ زیوس دیوتا کا تھا۔ باقی دیوتاؤں کے مجسمے چونے کے پتھر یا ماربل کے بنے تھے جب کہ زیوس کا مجسمہ کانسی سے بنا تھا جس کا رنگ سیاہ تھا۔

یہ مجسمے زیادہ تر برہنہ بنائے گئے تھے۔ مجسموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ قدیم یونانیوں میں ختنہ کرنے کا رواج نہیں تھا۔

مجسموں والے ہال سے آگے کئی ہزار سال پہلے ایک تباہ شدہ بحری جہاز کے ٹکڑے، اس سے ملنے والے مجسمے اور اشیاء رکھی تھیں۔ جہاز سے ملنے والے مجسمے ماربل کی بجائے عام پتھروں سے بنے تھے۔ ان کی تراش خراش میں بھی زیادہ صفائی نہیں تھی۔

تباہ شدہ جہاز سے آگے ایک کمپیوٹر سیکشن بنایا گیا تھا۔ جس میں گراریوں سے بنی ایک مشین رکھی تھی جسے ہزاروں سال پرانا کمپیوٹر قرار دیا گیا تھا۔ یہ مشین چاند کے مختلف مدارج کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتی تھی۔ یونانی اس مشین کو کمپیوٹر کی ابتدائی شکل قرار دے کر کمپیوٹر کی ایجاد کا سہرا اپنے سر باندھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

میوزیم کے دائیں حصے میں یونان کے پرانے لیڈروں کے مجسمے رکھے تھے۔ کچھ کے صرف سروں کے مجسمے تھے۔ ان میں قدیم فلسفیوں کے مجسمے بھی شامل تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ آرکیالوجی میوزیم میں رکھے مجسموں میں سقراط، افلاطون اور ارسطو کے مجسمے شامل نہیں تھے۔

آرکیالوجی میوزیم میں ان کے مجسموں کی عدم موجودگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یونانی ریاست میں طویل عرصہ تک سقراط، افلاطون اور ارسطو کو سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہو سکی۔ شاید اِسی لئے اِس میوزیم سے اُن کے مجسمے غائب ہیں۔

میوزیم کے درمیانی ہال میں پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں استعمال ہونے والے ہتھیار، زیورات اور سکے رکھے گئے ہیں۔ اوزاروں میں قدیم یونان میں استعمال ہونے والی دو طرفہ کلہاڑیوں، تلواروں اور چاقوؤں کے نمونے ہیں۔ ان سب اوزاروں کے کھردرے پن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس وقت تک یونانیوں میں ہتھیاروں کی کاٹ اور دھار کو انتہائی صفائی کی سطح تک لے جانے کا ہنر موجود نہیں تھا۔

ایتھنز میں آرکیالوجی میوزیم

آر کیالوجی میوزیم میں رکھا زیوس کا مجسمہ

آر کیالوجی میوزیم میں زیوس کے مجسمے کے سامنے بہت سے سیاح کھڑے ہیں

آرکیالوجی میوزیم میں رکھا ۴ صدی قبل مسیح کا ایک برتن

میں نے فلسفیوں اور سیاست دانوں کے ہال میں سقراط، افلاطون اور ارسطو کے مجسموں کی عدم موجودگی کا سوال وہاں کھڑے نگران سے اٹھایا لیکن اُس کے پاس اُن کے مجسموں کی عدم موجودگی کی کوئی خاص وجہ موجود نہیں تھی۔

میں آرکیالوجی میوزیم میں سقراط، افلاطون اور ارسطو کے مجسمے نہ ہونے کی وجہ سے بوجھل دل کے ساتھ باہر نکل آیا۔

میوزیم کے سامنے واقع بڑے صحن سے چل کر میں سڑک پر پہنچا اور لائکاوٹوس ہل پر جانے کے لئے ایک ٹیکسی والے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ اتفاق سے یہ پہلا ٹیکسی ڈرائیور تھا جس کی انگریزی بولنے اور سمجھنے کی استعداد کافی بہتر تھی۔

لائکاوٹوس کا منظر میں نے کل ایکروپولس سے دیکھا تھا۔ ایتھنز کے سنٹر میں اتنی اونچی پہاڑی اور اس پر بنا ایک قدیم اسٹرکچر دیکھ کر مجھے اشتیاق ہوا کہ وہاں بھی جایا جائے۔

نقشہ دیکھا تو اُس میں اُس پہاڑی کی نشاندہی لائکاوٹوس پہاڑی کے نام سے کی گئ تھی جس پر قدیم زمانے سے ایک خانقاہ نما چرچ بنا تھا۔

میں نے ٹیکسی والے کو لائکاوٹوس ہل چلنے کے لئے کہا۔ لائکاوٹوس ہل ایتھنز کے اندر واقع پہاڑیوں میں سے ایک ہے۔ لائکاوٹوس ہل پہلی پہاڑی تھی جس کے نام کے ساتھ ایکرو کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ سارا ایتھنز تقریبا پہاڑیوں پر واقع ہے۔ ہر پہاڑی کے نام کے ساتھ ایکرو کا لفظ استعمال کرکے اُس پہاڑی کی شناخت قائم کی جاتی ہے۔ جیسے ایتھنز کے اہم ترین حصے جہاں اتھینا دیوی کے دونوں مقدس مندر ہیں اس کا نام ایکرو پولس ہے۔ویسے یونانی ایکروپولس کا تلفظ ایکروپولی کرتے ہیں۔ وہ پولس کے آخر میں استعمال ہونے والا ایس بولنے میں غائب کردیتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنوں نے یونان پر قبضہ کیا تو اس پہاڑی پر انہوں نے توپیں اور بندوقیں نصب کیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر پہاڑی کی بلندی اور ایتھنز کے عین درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے یہاں سے شہر میں کسی بھی طرف گولہ باری کر سکتے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور نے جیسے ہی شہر کی تنگ سڑکوں پر لائکاوٹوس ہل کی طرف سفر شروع کیا میں نے اُس سے اُس کا نام پوچھا۔ وہ چھبیس ستائیس برس کا ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ لڑکیوں کی طرح لمبے بالوں کی وجہ سے اُس کی شخصیت میں ایک عجیب انفرادیت پیدا ہو گئی تھی۔ میرے استفسار پر اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کا نام پیدلی ہے۔

میں نے پیدلی سے سقراط کی جیل اور قبر کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں جگہوں کے محلِ وقوع سے واقف ہے۔ اُس نے مجھے بتایا کہ جیل تک جایا جا سکتا ہے لیکن سقراط کی قبر تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ آرکیالوجی میوزیم سے نکل کر تقریباً دس منٹ میں ٹیکسی لائکا وٹوس ہل پر پہنچ گئی۔

میں نے ٹیکسی سے نکل کر لائکاوٹوس پہاڑی پر واقع چرچ کی باہر اور اندر کی چند تصویریں بنائیں ۔ پہاڑی سے ایتھنز کے مناظر دیکھے اور اُن کی تصویر کشی کی۔ یہاں تصویر کشی سے فارغ ہو کر میں نے پیدلی سے درخواست کی کہ اگر ممکن ہو تو وہ مجھے سقراط کی جیل تک لے جائے۔

سقراط کی جیل کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے پیدلی سے پوچھا کہ کیا اُس کے بیوی بچے ہیں؟ میرے استفسار پر پیدلی نے مجھے بتایا کہ وہ ایک لڑکی کے ساتھ گرل اور بوائے فرینڈ کے طور پر رہ رہا ہے لیکن اُس نے ابھی تک اُس سے شادی نہیں کی اور نہ اُس کا اُس سے شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔

میں نے اُس سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ ابھی تک اُس کی معاشی حالت اُسے شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

لائکاوٹوس ہل سے نیچے اُتر کر ٹیکسی نے سقراط کی جیل کی طرف سفر شروع کیا تو مجھے لگا کہ ہم ایکروپولس کی طرف جارہے ہیں۔

گزشتہ روز جب میں ایکروپولس پر ٹمپلز آف ورجن کی سیاحت کے لئے گیا تھا تو ایکروپولس کے علاقے میں داخلے سے پہلے زیوس اور اپالو کے ٹمپل دکھائی دئے تھے۔ جہاں میں نے بعد میں آنے کا ارادہ کیا تھا۔

آج سقراط کی جیل کی طرف جاتے دوبارہ زیوس کا ٹمپل دکھائی دیا تو میں نے پیدلی سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ٹیکسی وہاں روکے۔

میں چاہتا تھا کہ اب اس علاقے میں آیا تھا تو زیوس اور اپالو کا ٹمپل بھی دیکھ لیا جائے۔ میرے کہنے پر اس نے زیوس کے ٹمپل کے داخلے کے پاس واقع پارکنگ میں ٹیکسی پارک کی تو میں اُتر کر زیوس ٹمپل کے احاطے میں چلا گیا۔ میرا ایکروپولس پر بارہ یورو کا خریدا گیا ٹکٹ اس ٹمپل کے لئے بھی چل گیا۔

ٹمپل کے احاطے میں داخل ہو کر انفارمیشن کی تختی پر نظر ڈالی تو یہاں صرف زیوس کا ٹمپل ہی نہیں بلکہ یونانیوں کے حماموں کے کھنڈرات واقع تھی۔ حماموں کے یہ کھنڈرات دائیں ہاتھ واقع تھے جبکہ زیوس اور اپالو کے ٹمپل بائیں ہاتھ واقع تھے۔

میں پہلے دائیں ہاتھ چل کر قدیم حماموں کے طرف گیا۔ اب حمام کہاں صرف اُن کے کھنڈرات باقی تھی۔ حماموں کے کھنڈرات دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ازمنہ قدیم کے یونان میں حمام بھی پبلک پلیس تھے۔ جہاں ایک ہی وقت میں بہت سے لوگ آکر نہایا کرتے تھے۔ شاید

ایکروپولس کے رہائشی علی الصبح یہاں جمع ہو کر غسل کرتے اور اس کے بعد زیوس اور اپالو کے ٹمپلز میں جاتے ہوں گے۔

زیوس اور اپالو کے ٹمپلز کے قریب حمام دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ مذہب اور پانی میں ہمیشہ بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ تقریباً سبھی مذاہب کے ماننے والے مذہبی مقامات پر داخل ہونے سے پہلے ہاتھ پاؤں دھوتے، طہارت کرتے یا غسل کرتے ہیں۔ ۲۰۰۵ میں اپنے سفر جاپان کے دوران میں نے دیکھا تھا کہ جاپانی اپنے ٹمپلوں میں جانے سے پہلے ہاتھ دھوتے اور کلی کرتے تھے۔ ۱۹۹۱ میں اپنے سفر ہندوستان کے دوران ہر دوار میں ہندوؤں کو گنگا میں اشنان کرتے اور دہلی میں سکھوں کو منگلہ صاحب کے ٹمپل میں داخلے کے وقت اشنان کرتے دیکھا تھا۔ مسلمان تو بہر حال ہر نماز سے پہلے وضو کرتے ہی ہیں۔ زیوس اور اپالو کے ٹمپلز کے پاس حمام بھی شاید اسی مقصد کے لئے بنائے گئے تھے کہ اُن میں داخل ہونے سے پہلے زائرین غسل کریں اور اُس کے بعد ٹمپلوں میں داخل ہوں۔

ان حماموں کے کھنڈرات کی تصویریں بنانے کے بعد میں واپس زیوس کے ٹمپل کی طرف آیا۔ وہاں ایک امریکی جوڑا ٹمپل کے سامنے ایک دوسرے کی تصویریں بنانے میں مصروف تھے۔ وہ امریکی انگلش میں گفتگو کر رہے تھے۔

اُن کا امریکی لہجہ سن کر میں نے اُنہیں پوچھا کہ وہ امریکہ میں کہاں سے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ وسکانسن کے رہنے والے ہیں۔ اُن کے استفسار پر میں نے انہیں بتایا کہ میں سان فرانسسکو کیلیفورنیا سے ہوں۔

میں نے انہیں آفر کی کہ وہ چاہیں تو میں اُن کی مشترکہ تصویر بنا سکتا ہوں۔ انہوں نے بخوشی میری آفر قبول کرلی۔ میں نے زیوس کے ٹمپل کے سامنے اُن کی چند مشترکہ تصویریں بنائیں۔

زیوس اور اپالو دیوتا کے کے ٹمپلز کے پاس حماموں کے کھنڈرات

ایتھنز میں زیوس دیوتا کا ٹیمپل

اُس کے بعد اُنہوں نے ٹمپل کے سامنے میرے کیمرے سے میری چند تصویریں بنائیں۔ وہاں ہم صرف امریکی تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم وطن کی طرح برتاؤ کر رہے تھے۔

اب تک میں نے ایتھنز میں جتنے ٹمپلز دیکھے تھے اُن کا طرزِ تعمیر تقریباً ایک جیسا تھا۔ پارتھینن کے تین چیمبر تھے۔ ایک چیمبر میں اتھینا کا مجسمہ رکھنے کا پتہ چلتا ہے لیکن باقی ٹمپلوں میں مجسمے رکھنے کے بارے میں کوئی انفارمیشن موجود نہیں۔ ہاں ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ یونانی ان ٹمپلوں کی تعمیر اپنے دیوتاؤں کے اعزاز میں کرتے تھے۔

میں نے پہلے زیوس اور پھر اپالو کے ٹمپل کی کچھ تصویریں بنائیں اور احاطے سے باہر آ گیا۔ پارکنگ میں پیدلی ٹیکسی میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

اس وقت سورج نصف النہار تک پہنچ چکا تھا۔ ہوا خاصی گرم ہو چکی تھی۔ دھوپ میں کھڑا رہنے کی وجہ سے ٹیکسی میں بہت گرمی تھی۔ پیدلی کے ماتھے پر پسینے کے قطرات چمک رہتے تھے۔ میرے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اُس نے ٹیکسی کا ایئر کنڈیشنر آن کر دیا۔ ایئر کنڈیشنر کو ٹیکسی کے اندر ماحول کو ٹھنڈے کرنے میں کچھ دیر لگی۔

زیوس کے ٹیمپل سے نکل کر چند منٹوں تک ایتھنز کی سڑکوں پر دوڑنے کی بعد ٹیکسی واقعتاً ایکرو پولس کے داخلے کے مقام پر جا رکی۔ پیدلی نے مجھے بتایا کہ سقراط کی جیل وہیں سڑک سے تھوڑی دور ایکرو پولس کے مخالف سمت میں واقعہ ہے۔ اُس نے ٹیکسی سے اُتارتے ہوئے مجھے بتایا کہ جیل تک گاڑی کا راستہ نہ ہونے کی وجہ وہاں تک مجھے پیدل ہی جانا ہو گا۔

میں نے کل تقریباً سارا دن ایکرو پولس ہی میں گزارا تھا۔ اس لئے مجھے ہلکی سی خفت محسوس ہوئی کہ میں نے کل اِس مقام پر کسی سے سقراط کی جیل کا پتہ کیوں نہ پوچھا تا کہ مجھے دوبارہ وہاں نہ آنا پڑتا۔

ٹیکسی سے اُتر کر میں نے پیدلی کو ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ یہ راستہ پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ تھوڑا سا چلنے کے بعد پتھروں سے بنا یہ راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر دو مختلف سمتوں میں چلا گیا۔ دونوں راستوں پر کوئی سائن بورڈ نہیں تھا جس سے اِس چیز کی نشاندہی ہوتی کہ کونسا راستہ کہاں جا رہا ہے۔

میں اِس شش و پنج میں کافی دیر وہاں کھڑا رہا کہ کس راستے پر جاؤں۔ میں ان جانے میں غلط سمت میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

کافی دیر کھڑا رہنے کے بعد وہاں مجھے ایک نوجوان یونانی دکھائی پڑا۔ میں نے اُس سے سقراط کی جیل کے بارے میں استفسار کیا تو اُس نے مجھے بتایا کہ دونوں راستے وہیں جاتے ہیں۔ چونکہ دونوں راستے مختلف سمتوں میں جا رہے تھے اس لئے مجھے اُس کے جواب کی صحت پر ہلکا سا شک پیدا ہوا۔ پھر بھی میں نے اُس سے پوچھا کہ وہاں تک پیدل جانے کے لئے زیادہ بہتر راستہ کونسا ہے۔

اُس نے ایک راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ راستہ پیدل چلنے کے لئے بہتر ہے۔

مرتا کیا نہ کرتا میں اُس کے بتائے راستے پر ہو لیا۔ اُس کا بتایا راستہ ایک پہاڑی پر جا کر منتج ہوا۔ پہاڑی پر ایک چھوٹا سا مینار بنا تھا۔ مینار کے ساتھ ایک چھوٹا سا کتبہ لگا تھا جس پر لکھا تھا فلو پاپوس۔ یہ فلوپاپوس کی پہاڑی تھی۔ یہاں دور دور تک کسی جیل کے کوئی آثار نہیں تھے۔

فلوپاپوس دراصل پہلی صدی عیسوی میں ایک ممتاز یونانی تھا۔ فلوپاپوس نے سلطنت رومہ کے لئے بہت سی خدمات سرانجام دیں جس کی وجہ سے اُسے یونانی ہونے کے باوجود سلطنت رومہ میں سینیٹر بنا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ فلوپاپوس اسی جگہ دفن ہے جہاں آج کل پہاڑی پر مینار بنایا گیا ہے۔ لیکن وہاں پر کسی قبر کے آثار نہیں ہیں۔

مجھے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ فلوپاپوس کی پہاڑی پر اُس کے مینار کے علاوہ کسی جیل کا کوئی نشان نہیں تھا۔

پہاڑی چڑھنے کی وجہ سے میں خاصا تھک چکا تھا۔ اس لئے وہاں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ وہاں بیٹھے میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ اتنے میں مجھے وہاں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک لڑکی دکھائی دی۔ اُس کے ماں باپ بھی تھکے ہوئے تھے اور وہاں ستانا چاہتے تھے۔

ایتھنز شہر میں بلند ترین پہاڑی لائکاوٹوس۔ اس پہاڑی پر بہت سے سیاح
صرف وہاں سے شہر کا منظر دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔

لائکاوٹوس ہل پر بازنطینی دور کا بنا ہوا ایک چرچ

میں نے اُس سے سقراط کی جیل کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے پہاڑی کے نیچے ایک سمت اشارہ کیا کہ جیل وہاں ہے۔ میں نے پوچھا وہاں کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ اُس نے ایک کچے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ راستہ جیل تک جاتا ہے۔

اتنا کہنے کے بعد نہ جانے اُس کے ذہن میں کیا خیال آیا کہ اُس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر وہاں ستالیں تب تک وہ مجھے سقراط کی جیل تک چھوڑ آئے گی۔

اُس کے ماں باپ ستانے کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں جیل کے راستے پر ہو لئے۔ تھوڑی دیر گپ شپ کرتے ہم پہاڑی کی ڈھلان پر اُس کچے راستے پر چلتے ایسی جگہ پہنچے جہاں سے پہاڑی کے پہلو میں بنی جیل صاف طور پر نظر آ رہی تھی۔

اُس نے جیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ جیل ہے اور پھر مجھے خدا حافظ کہہ کر دوبارا فلوپاپوس پہاڑی کے راستے پر چلی گئی۔

میں تھکے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ جیل کے پاس پہنچا۔ جیل کیا تھی پہاڑی کو کاٹ کر دس دس فٹ کے دو کمرے بنائے گئے تھے۔ دونوں کمروں کے الگ الگ دروازے تھے۔ درمیان میں داخلے کے لئے ایک چھوٹی سی لابی بنائی گئی تھی جس میں داخلے کا ایک الگ دروازہ بنایا گیا تھا۔ لابی والے دروازے کے پیچھے پہاڑی کو اس طرح کاٹا گیا تھا اور اُن میں اس طرح دو چھوٹے چھوٹے سوراخ بنائے گئے تھے جن سے دونوں کمروں کے قیدی ایک دوسرے کو دیکھے بغیر گفتگو کر سکتے تھے۔

دونوں کمروں کا سائز اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ایک وقت میں مشکل سے ایک یا دو آدمی رہ سکتے تھے۔

جیل کی بناوٹ اور کمروں کی درمیانی دیوار کی ساخت اور زاویئے سے اندازہ ہوتا تھا کہ سقراط کو دائیں ہاتھ والے کمرے میں قید رکھا گیا تھا۔ جیل کے اس پار ایکروپولس کی پہاڑی پر بنے ڈیئنو سوس کے تھیٹر اور پارتھینن اور اتھینا کے ٹمپلوں کو دیکھنے کے لئے پوری دنیا سے روزانہ ہزاروں لوگ آتے ہیں لیکن دوسری طرف فلوپاپوس کی پہاڑی میں بنے اِس جیل خانے کی زیارت کرنے کوئی کوئی مجھ جیسا دیوانہ ہی آتا ہے۔ شاید ایسا ہی کوئی دیوانہ مجھ سے پہلے، آج ہزاروں سال بعد بھی، سقراط کی جیل کے کمرے کی سلاخوں سے ایک گل دستہ کمرے کے اندر پھینک گیا تھا۔ یہ میری طرح کسی اجنبی کا سقراط کے لئے اظہارِ عقیدت تھا۔

میں کافی دیر جیل کی سلاخوں کو پکڑے سقراط کے شب وروز کے بارے میں غور کرتا رہا۔ میں جب تک جیل کی سلاخوں کو پکڑے کھڑا رہا مجھے لگا میرے دل کو کوئی ہاتھوں میں پکڑ کر مسل رہا ہے۔ مجھے لگا سقراط سفید چادر میں ملبوس جیل کی سلاخوں کے دوسری طرف کھڑا اپنی روشن آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔ میں نے دیکھا ایک ابدی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر کھیل رہی تھی۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ میں نہیں جانتا میری آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ رہے تھے۔ اُس ناانصافی کی وجہ سے جو آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے سقراط کے ساتھ کی گئی تھی یا اپنے زمانے کی اُن نفرتوں اور جہالتوں کی وجہ سے جو سقراط جیسے عظیم انسان کی قربانی کے باوجود اب بھی انسان کو اُسی طرح لہولہان کر رہی ہیں۔

میں اُسی طرح تر آنکھوں کے ساتھ جیل کی سلاخوں کو پکڑ کر جیل کے دروازے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں اتنی دیر وہاں بیٹھا رہا کہ دن کے اُجالے میں رات کی سیاہی گھلنے لگی۔

میں جب تک وہاں رہا وہاں کوئی نہیں آیا۔ ماحول میں سیاہی گھلنے کی وجہ سے میں نے آخری بار جیل کی سلاخوں کو یہ سوچ کر بوسہ دیا کہ سقراط کبھی کبھار یقیناً اِن سلاخوں کو پکڑ کر کھڑا ہو کر باہر کی طرف دیکھتا ہو گا۔

سقراط کی جیل دیکھ کر مجھے لگا میرا ایتھنز کا سفر مکمل ہو گیا ہے۔ اب یہاں میرے دیکھنے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا۔

میں آہستہ آہستہ کچے راستے پر قدم اٹھاتا پتھروں والے راستے پر واپس پہنچا تو یہ وہی جگہ تھی جہاں اُس یونانی نوجوان نے مجھے فلاپاپوس کی پہاڑی کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

میں نے ایکروپولس کے سامنے مین سڑک پر آکر ٹیکسی لی۔ جب تک میں ٹیکسی لے کر ہوٹل پہنچا شہر میں سڑکوں کی روشنیاں جل چکی تھیں۔ اتنا چلنے کی وجہ سے بھوک خوب چمک رہی تھی۔ ویسے بھی شام کا کھانا کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ انڈین کچن سے کھانا کھا کر اپنے کمرے میں واپس جاؤں۔

انڈین کچن پہنچا تو وہاں آج پھر حسب معمول شاہد سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے خندہ پیشانی سے مجھے خوش آمدید کہا اور میری اس دن کی سیاحت کی تفصیل پوچھی۔

اُس نے مجھے بتایا کہ اتوار کے دن یونان میں الیکشن ہو رہے ہیں۔ اِس لئے اُس دن اُن کا ریستوران بند رہے گا۔ اُس نے خواہش ظاہر کی کہ اتوار کے دن اُسے چھٹی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مجھے گھمانے پھرانے لے جائے۔

اُس کی آنکھوں کی اُداسی اور چہرے کی معصومیت سے پیدا ہونے والی کیفیت دیکھ کر مجھے اُس کو انکار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مجھے لگا کہ وہ اپنے ماں باپ کو مس کرتا ہے۔

میں نے اُسے پوچھا کہ کیا وہ اپنے ماں باپ کو مس کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ماں باپ کے ذکر پر اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس نے کہا ہاں خاص طور پر وہ اپنی ماں کو بہت زیادہ مس کرتا ہے۔

ریستوران خالی تھا۔ کوئی اور گاہک موجود نہیں تھا۔ اِس لئے میں جب تک کھانا کھاتا رہا وہ میرے پاس کھڑا رہا۔

کھانا کھا کر میں نے ریستوران کی یونانی مینجر کو بل ادا کیا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوٹل چلا آیا۔

اِس طرح ایتھنز میں میرا تیسرا دن تمام ہوا۔

سقراط کی قبر کی طرف راہنمائی کرنے والی تختی

سقراط کی جیل۔ یہ جیل فلوپاپوس پہاڑی کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ سقراط
کو دائیں طرف والے کمرے میں قید کیا گیا تھا

سقراط کی جیل باہر لگی انفارمیشن تختی

سقراط کی جیل کا ایک اور منظر

ایتھنز میں چوتھا دن

کل سقراط کی جیل کی زیارت نے مجھے اُداس کر دیا تھا۔ رات بھر سونے کی کوشش کرتا تو جیل کا اُداس منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ جس طرح پہاڑی کو کاٹ کر جیل بنائی گئی تھی، جیل کے اِرد گرد جو اُجاڑ پن تھا، اُس منظر نے میری رگوں میں آگ بھر دی۔ آگ کا دھواں میری روح کو رات بھر جلاتا رہا، تڑپاتا رہے۔

تین ہزار قبل رونما ہونے والا ایک واقعہ اس طرح مجھے بے قرار کر دے گا اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔

میں نے اس بے قراری کا سبب جاننے کے لئے اپنے دل کے کنویں میں جھانکا لیکن وہاں مجھے تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔

سقراط جیسے عظیم انسان کے ساتھ اس کے ہم وطنوں نے تین ہزار سال قبل ایسا نامنصفانہ سلوک کیا تھا بجا لیکن تین ہزار سال بعد اُس کے وطن میں اُس کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اُس کا کیا جواز ہے؟

کیا اب یونان اُس کے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہے؟ لگتا ہے سقراط کے ساتھ یونانی اب بھی وہی سلوک کر رہے ہیں جو اُنہوں نے اُس کے ساتھ تین ہزار سال قبل کیا تھا۔

یونان کے قومی منظر نامے سے سقراط کی عدم موجودگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر یونانی غیر شعوری طور پر اب بھی سقراط کو مجرم ہی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سقراط کے نام پر ایتھنز میں کوئی سڑک دکھائی دیتی۔ کوئی قومی عمارت دکھائی دیتی۔ کوئی ایئر پورٹ دکھائی دیتا۔

لیکن مجھے اتنے دنوں میں سقراط کے نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔ یہاں تک کہ جیل جانے والے راستے پر بھی صرف ایک چھوٹی سی تختی لگائی گئی ہے اور بس۔ کیا سقراط جیسے قد آور انسان کے ساتھ اُس کے ہم وطنوں کا یہ رویہ ٹھیک ہے؟

میں رات بھر ان سوالوں کی آنچ پر جلتا رہا۔ اُدھر سورج کی پہلی کرنوں نے میرے کمرے کی کھڑکی پر دستک دی اِدھر نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ جسم عجیب انداز میں ٹوٹ رہا تھا۔ اُٹھ کر غسل کیا تو قدرے سکون ملا۔ لیکن سقراط کی جیل کا منظر اب بھی میرے شعور اور لاشعور کے درمیان ہچکولے لے رہا تھا۔

ہوٹل میں فری لنچ کا وقت کب کا ختم ہو چکا تھا۔ اِس لئے کپڑے بدل کر ہوٹل سے باہر نکلا کہ کہیں جا کر ایک ساتھ ناشتہ اور لنچ کیا جائے۔

چند لمحے سڑک پر چلنے کے بعد پاؤں خود بخود سنتگما اسکوائر پر واقع میکڈانلڈ میں لے گئے۔

امریکہ میں رہنے والوں کو میکڈانلڈ پوری دنیا میں کہیں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ کسی بھی ملک میں میکڈانلڈ دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ امریکہ ہی میں گھوم رہے ہیں۔ دنیا کے کسی کونے میں بھی ہوں میکڈانلڈ سے برگر اور فرنچ فرائز خرید کر کھاتے ہوئے لگتا ہے کہ امریکہ ہی میں کسی میکڈانلڈ میں کھانا کھا رہے ہیں۔

میکڈانلڈ پر لنچ سے فارغ ہوا تو مجھے خیال آیا کیوں نہ آج جدید یونان کے کمرشل سنٹرز کا جائزہ لیا جائے۔

کیونکہ ماڈرن دنیا کی نمائندگی مالز سے ہوتی ہے اس لئے میں اپنے ایریئے میں واقع کسی مال کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ شہر کے عین وسط میں کوئی شاپنگ مال نہیں تھی۔ شاپنگ ایریا میں چلتے ہوئے کئی ایک بین الاقوامی سطح پر جانے پہچانے کمرشل نام دکھائی دئے لیکن کہیں کوئی بڑی مال دکھائی نہ دی۔ سڑک پر واقع ایک چھوٹی شاپنگ ہٹ والے سے ایتھنز میں کسی مال کے بارے میں پوچھاتو اُس نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھا شاید یہ میرا سوال سمجھنے سے قاصر ہے۔ میں نے اپنا سوال دہرایا تو کہنے لگا کہ اولمپک اسٹیڈیم کے قریب ایک مال بنانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن میڈیا میں اُس مال کے حوالے سے اتنے اسکینڈل سامنے آئے تھے کہ حکومت کو اس کی تعمیر روکنا پڑی۔ اب وہ ادھوری مال میں ٹرکوں کے اڈے کے طور پر کام آرہی ہے۔

اُس نے مجھے آدھی انگریزی اور آدھی یونانی میں اسکینڈل کی نوعیت سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں پوری کوشش کے باوجود اُس کا مدعا نہ سمجھ سکا۔ ہاں اُس کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ ایتھنز میں کسی بڑی مال کی تلاش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گی۔

اس لئے میں سنتگما اسکوائر سے نکلنے والے سڑکوں پر آوارگی کر تا رہا۔ وہاں ہر طرح کی دوکانیں تھیں اور گاہک بھی لیکن کوئی بڑی بین الاقوامی شہرت کی مال نہیں تھی۔ ہاں مختلف دوکانوں پر بڑے بڑے بین الاقوامی تجارتی نام ضرور دکھائی پڑے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یونانی عام دوکانوں پر بڑے تجارتی ناموں والی مصنوعات بیچنے اور خریدنے پر قانع ہیں اور اِس مقصد کے لئے بڑی بڑی مالز تعمیر کرنا نہیں چاہتے۔

تجارتی برانڈوں والی مصنوعات دیکھ کر اندازہ کرنا مشکل تھا کہ جو برانڈ نام استعمال کیے گئے ہیں حقیقتاً وہ مصنوعات اُنہی کمپنیوں کی بنی ہیں یا بیشتر ممالک کی طرح یہاں بھی صرف دو نمبر اشیاء کے لئے برانڈ نام استعمال کیے جا رہے ہیں۔

ایک جگہ ہگن ڈاس آئس کریم کا سائن دکھائی پڑا۔ وہاں سے ونیلا فلیفر کی آئس کریم کا ایک چھوٹا کپ خرید کر آئس کریم کھائی۔ آئس کریم فلیفر اور ذائقے کے اعتبار سے یقینی طور پر اُوریجنل محسوس ہوتی تھی۔

مختلف بازاروں میں گھومتے ہوئے مجھے متعدد مقامات پر کئی آرٹسٹ اپنی پینٹنگز بیچتے دکھائی دئے۔

آرٹس کی دوکانوں پر رونق دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یونانیوں کو آرٹس سے خصوصی دل چسپی ہے۔ پینٹنگز کی تخلیق اور اُنہیں مناسب قیمت پر فروخت کے لئے پیش کرنے سے یونانی سماج میں آرٹس کی ڈیمانڈ اور سپلائی کی موجودگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

راستے میں کئی یونانی ریستورانوں پر رک کر مینیوز دیکھے ۔ مینیوز دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ یونانیوں کی خوراک میں گوشت کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ میں چونکہ بنیادی طور پر گوشت خور نہیں ہوں اس لئے یونانی خوراک سے گریز کیا۔

میری گوشت خوری میکڈانلڈ سے شروع ہو کر میکڈانلڈ پر ختم ہو جاتی ہے۔ سارا دن بازاروں میں آوارگی کرنے کے بعد سر شام واپس میکڈانلڈ جا کر چکن برگر خرید کر ڈنر کیا اور ہوٹل واپس چلا آیا۔ اسطرح ایتھنز میں میرا چوتھا دن تمام ہوا۔

اگرچہ آج کے دن میں نے کسی تاریخی مقام کی سیاحت نہیں کی تھی۔ لیکن ثقافتی اعتبار سے یہ دن خاصا اہم رہا۔ بازاروں میں گھومنے پھرنے سے یونانی اسٹریٹ کی ثقافت کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ لوگوں کے عدات و اطوار کو سمجھنے میں مدد ملی۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہمسایہ ممالک اور دیگر ممالک سے آنے والے مہاجرین یونانی معاشرے میں کس طرح زندگی کر رہے ہیں۔

ایتھنز میں پانچواں دن

دنیا میں کئی ممالک جزائر پر مبنی ہیں ۔ کسی ملک میں چند جزائر ہیں تو کسی میں سینکڑوں اور ہزاروں۔ فلپین، انڈونیشیا اپنے جزائر کے حوالے سے پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ یونان میں بھی بہت سے جزائر ہیں۔ کچھ جزائر آباد ہیں اور کچھ غیر آباد۔ کچھ جزائر انفرادی طور پر یونانیوں کی ملکیت ہیں۔ امریکہ میں میرا ایک یونانی دوست اکثر مجھے بتایا کرتا ہے کہ اُس کے باپ نے ایک جزیرہ خرید رکھا ہے اور وہ اس جزیرے پر اپنے چند ملازموں کے ساتھ تنہا زندگی گزارتا ہے۔ مجھے اس کی بات سن کر اکثر تعجب ہوتا لیکن یونان کے سمندر ایجین میں بکھرے جزیرے دیکھ کر اُس کی بات سمجھ میں آئی کہ یہ کیوں کر ممکن ہے۔

جزیروں کی انفرادی ملکیت کا ذکر ہوا ہے تو مجھے مشہور یونانی جہاز ران اوناسس کا خیال آرہا ہے۔ وہی اوناسس جس نے امریکی صدر جان ایف کینڈی کی بیوہ جیکی سے شادی کرکے اسے جیکی کینڈی سے جیکی اوناسس بنادیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جیکی کو اوناسس سے اِسی لئے محبت ہوئی تھی کہ وہ کئی جزائر کا تنہا مالک تھا جہاں صرف اس کی رہائش گاہیں واقع ہیں۔ لیکن انسان تنہا کہاں تک رہ سکتا ہے۔ انسان بنیادی طور پر سماجی حیوان ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اس لئے جیکی اوناسس جلد ہی ان جزائر کی تنہائی سے اکتا گئی۔ اِس دوران اُوناسس فوت ہو گیا۔ اُس کی وفات کے بعد جیکی واپس امریکہ لوٹ آئی اور اُس نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن مین ہیٹن نیویارک میں گزارے۔ وہ ۶۴ سال کی عمر میں وہیں کینسر سے لڑتی ہوئی فوت ہوئی۔

ایتھنز میں واقع تاریخی مقامات کی سیاحت کے بعد میں نے بھی چند جزائر کی سیر کرنے کا ارادہ باندھا۔ میرے ہوٹل کے ارد گرد بہت سی کمپنیاں تھیں جو جزائر کی سیاحت کا کاروبار کرتی ہیں۔ ایتھنز ون ڈے کروز ۹۹ یورو میں تین جزیروں کی سیر کراتی ہے۔ رات اسی کمپنی سے میں نے تین جزائر کی سیاحت کا پیکیج خرید لیا تھا۔ سفر نامہ لکھنے کے ذکر پر کمپنی نے مجھے کرائے میں دس یورو کا ڈسکونٹ دیا جس کی وجہ سے انہوں نے مجھے ۹۹ یورو کی بجائے ۸۹ یورو چارج کیے۔

کمپنی کی بس نے مجھے صبح سات بجے میرے ہوٹل سے اُٹھایا اور پھر دوسرے ہوٹلوں سے دیگر مسافروں کو اُٹھاتی آٹھ بجے ایتھنز کی بندر گاہ پہنچی۔ جہاں روانگی کے لئے بحری جہاز پہلے سے انتظار کر رہا تھا۔

دس پندرہ منٹ میں دو ڈھائی سو مسافر بحری جہاز پر سوار ہوئے تو جہاز نے بحر ایجین میں اپنے سفر کا آغاز کیا۔ یہ ایک چمک دار صبح تھی۔ کھلا نیلا آسمان بادلوں سے مکمل طور پر صاف تھا۔ سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ بحر ایجین مکمل طور پر پُر سکون تھا۔ جہاز بندر گاہ سے روانہ ہوا تو تقریباً سارے مسافر کھلے سمندر کا منظر دیکھنے کے لئے جہاز کے عرشے پر چلے آئے۔ جہاز کے عرشے پر تیز سمندری ہوا سے اُڑتی خواتین کی رنگ برنگی فراکیں اور ملبوسات عجیب منظر پیدا کر رہے تھے۔ مسافروں کے چہرے بے پایاں مسرت سے چمک رہے تھے۔ رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس جوڑے ایک دوسرے کی تصویریں بنانے میں مصروف تھے۔ کچھ دوسروں سے درخواست کر رہے تھے کہ وہ اُن کی مشترکہ تصویر بنا دیں۔ ایک نوجوان چینی خاتون تصویر بنوانے کے لئے جہاز کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی اڑتی فراک سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اُس کا سرخ رنگ کا کپڑے ہیٹ اُڑ کر سمندر میں جا گرا۔

ایتھنز کی بندر گاہ پائروس کا ایک منظر

ایتھنز کی بندر گاہ پائرؤس کا ایک اور منظر

حدِ نظر تک پھیلے بحر ایجین کا گہرا نیلا پانی عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ جہاز اپنے پیچھے ایجین کے نیلے پانیوں میں سفید چوڑی دھار بناتے ہوئے چل رہا تھا۔ چلتے جہاز کے ساتھ سمندر میں واقع چھوٹے بڑے جزائر مسلسل اُبھر اور ڈوب رہے تھے۔

تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کے سمندری سفر کے بعد حِدرا جزیرے کے آثار دکھائی دیئے۔ پہلے جزیرے کے پہاڑ دکھائی دیئے اور پھر پہاڑوں پر بنے گھر دکھائی دینے لگے جو نیچے ساحلِ سمندر تک پھیلتے چلے گئے تھے۔

جہاز حِدرا کی بندرگاہ کے ساتھ آکر رُکا تو جہاز کی انتظامیہ نے جہاز کے مسافروں کو وہاں ایک گھنٹے تک رُکنے کی نوید سنائی۔

حِدرا پہنچنے تک دن کے بارہ بج رہے تھے۔ انتظامیہ نے جہاز کے لنگر انداز ہونے تک مسافروں کو یہ بھی بتایا تھا کہ جزیرے سے واپسی پر اُنہیں لنچ کھلایا جائے گا۔

حِدرا ایک صاف ستھرا ساحلی قصبہ ہے۔ یہاں یونانی ڈھائی ہزار سال سے آباد ہیں۔ حِدرا جزیرے میں وقت کا تصور جدید دنیا سے قدرے مختلف ہے۔ اِس کی وجہ حِدرا کے رہائشیوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ جزیرے پر کبھی کوئی کار نہیں آنے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں جزیرے پر سوائے بڑی کشتیوں اور سیاحتی جہازوں کے انجن والی کوئی مشین دکھائی نہ دی۔ کاروں اور ٹیکسیوں کی بجائے جہاز سے اُترتے ہی جزیرے پر ہمیں گھوڑوں

کی ایک لمبی قطار دکھائی دی۔ گھوڑوں والے دس یورو لے کر سیاحوں کو قصبے کی سیاحت کرانے کی دعوت دے رہے تھے۔ جیسا کہ ایسے سیاحتی مقامات پر ہوتا ہے سیاح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں جب کہ گھوڑے کا مالک اُس کی لگام تھامے اُن کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا ہے۔

میں نے سوچا اگر گھوڑے والا سیاحوں کو گھوڑے پر بٹھا کر خود پیدل چلتا ہے تو میں کیوں پیدل گاؤں کا چکر نہیں لگا سکتا۔

قصبے میں گھومتے پھرتے میں نے دیکھا کہ گاؤں میں جگہ جگہ سیاحوں کے رہنے کے لئے چھوٹے چھوٹے ہوٹل بنے ہیں جن میں پچیس تیس یورو میں رات بھر کے لئے ایک کمرہ مل جاتا ہے۔ حِدرا کی گلیاں تنگ لیکن صاف ستھری ہیں۔ کہیں گند دکھائی نہیں دیتا۔ پانی کے نکاس کا سارا نظام زیر زمین ہے۔ کہیں کسی گھر سے پانی کی ایک بوند تک کسی گلی میں گرتی دکھائی نہیں دیتی۔ گلیاں پتھروں سے بنائی گئی ہیں۔ سب گھر اور ہوٹل پتھروں کے بلاکوں سے بنے ہیں۔ گھر چھوٹے لیکن صاف ستھرے ہیں۔

ایک گلی میں چلتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک خاتون اپنے گھر کے باہر گھر کی چمنی کی مرمت میں مصروف تھی۔ اُس سے سوال کرنے پر پتہ چلا کہ وہ اچھی انگریزی بولتی ہے۔ اُس سے تھوڑی دیر گاؤں کے طرزِ زندگی پر گفتگو کی۔ وہ اپنے لائف اسٹائل سے خاصی خوش اور مطمئن تھی۔

مجھے جہاز سے نکلے تیس پنتیس منٹ ہو چکے تھے۔ میں یونہی گلیوں میں چلتا اگلے دس منٹ میں ساحل پر واپس پہنچا تو مسافر پہلے سے جہاز پر سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی مسافروں کے ریلے کے ساتھ جہاز میں چلا آیا۔ گزشتہ ایک گھنٹے میں جہاز کے عملے نے جہاز کے درمیانی لاؤنج کو ریستوران میں بدل دیا تھا۔

اُنہوں نے مسافروں کے جہاز پر لوٹنے سے پہلے میزوں پر سلاد چن دیا تھا۔ ویٹرز سیاحوں کے گروپوں میں شامل ممبران کی تعداد کے مطابق اُنہیں ٹیبلوں پر بٹھا رہے تھے۔ جو بیٹھ چکے تھے وہ سلاد کھا رہے تھے۔ جلد ہی جہاز حِدرا کی بندرگاہ سے رخصت ہو کر دوبارہ کھلے پانیوں میں چلا آیا۔

ھِدرا جزیرے کی بندر گاہ پر سیاحوں کے منتظر گھوڑے

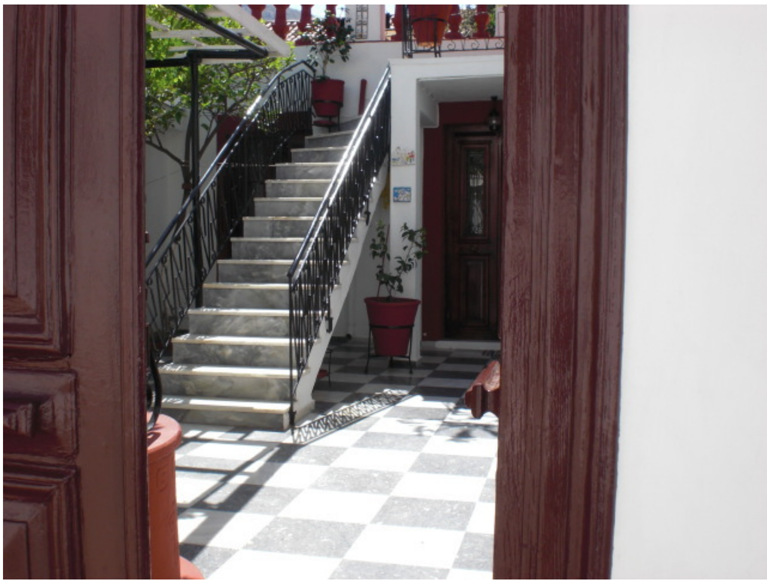

حِدرا جزیرے میں ایک گھر کا اندرونی منظر

حِدرا جزیرے پر ایک گلی اور مکانوں کا منظر

حدِراجزیرے پر ایک خاتون اپنے گھر کی چمنی کی مرمت کرا رہی ہے

حِدرا جزیرے میں مال برداری کے لئے استعمال ہونے والے گھوڑے

حِدرا جزیرے میں بازار کا ایک منظر

جہاز کے کچن کا چاک و چوبند عملہ مسافروں کو چکن اور بیف میں سے اُن کی پسند کی ایک ایک ڈِش اور اُن کا پسندیدہ مشروب پیش کر رہا تھا۔

ہماری اگلی منزل پوروس کا جزیرہ تھا۔ پوروس کا جزیرہ حِدرا سے کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب تک مسافر لنچ سے فارغ ہوئے جہاز پوروس جزیرے کی بندر گاہ میں داخل ہو چکا تھا۔

حِدرا کی طرح پوروس بھی بحر ایجیین میں واقع ہے۔ پوروس دو چھوٹے چھوٹے جزیروں سے مل کر بنا ہے۔ اِن میں سے ایک جزیرے کا نام سفیریا ہے جب کہ دوسرے کا کلوریا ہے۔

یونانی اساطیر کے مطابق کلوریا کا جزیرہ دیوتاؤں کے بادشاہ زیوس دیوتا کے بیٹے اپالو دیوتا کے لئے مخصوص تھا۔ اساطیر کے مطابق یہ جزیرہ اپالو دیوتا نے پوسیڈون دیوتا کو دے دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ دو سو تہتر قبل مسیح سفیریا اور کلوریا ایک ہی جزیرہ تھا۔ دو سو تہتر قبل مسیح میں جزیرے پر واقع آتش فشاں پہاڑ میتھانا کی آتش فشانی کے نتیجے میں پوروس دو جزیروں میں بٹ گیا۔

یہ جزیرہ عرصہ دراز تک روسیوں، فرانسیسیوں اور ترکوں کی جنگی آویزشوں کا مرکز بنا رہا۔

اس جزیرے پر تقریباً ساڑھے چار ہزار کے قریب رہائشی آباد ہیں۔ جن کی معاشی زندگی صرف سیاحوں کی آمد و رفت کے گرد گھومتی ہے۔ جزیرے پر ایک میوزیم بھی واقع ہے جس میں جزیرے کی تاریخ سے متعلقہ نوادرات رکھے ہیں۔

پوروس جزیرے پر بھی جہاز نے ایک گھنٹہ قیام کیا۔ جہاز کے قیام کے دوران میں نے بندر گاہ کے آس پاس واقع دوکانوں پر وِنڈو شاپنگ کی۔ اُن دوکانوں پر زیادہ تر سیاحوں کی دل چسپی کے

نوادرات فروخت کے لئے رکھے گئے تھے۔ جزیرے پر کئی ایک کیفے بھی تھے۔ جن میں چائے، کافی اور ایسپریسو کے علاوہ ہر طرح کے مشروبات اور پیسٹری ملتی تھی۔

میں نے بھی ایک کیفے میں بیٹھ کر چائے کا ایک کپ پیا۔ جس کے لئے کیفے والے نے مجھ سے صرف ڈیڑھ یورو وصول کیا۔

پوروس جزیرے پر بھی ایک گھنٹہ بہت تیزی سے گزر گیا۔ میں نے کیفے والے کو چائے کے کپ کے پیسے ادا کیے تو میں نے دیکھا کہ سیاح دوبارہ جہاز پر سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی تیزی سے قدم اُٹھاتا دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گیا۔

ایتھنز ون ڈے کروز نے جزائر کی سیاحت کا یہ پیکیج کمالِ مہارت سے تیار کیا تھا۔ حِدرا جزیرہ ایتھنز سے سب سے زیادہ دور تھا۔ جہاز سب سے پہلے ہمیں وہاں لے گیا۔

پوروس میں جہاز دراصل ایتھنز واپسی کے دوران رُکا تھا۔ ہمارا آخری اسٹاپ جزیرہ اجینا ایتھنز سے سب سے قریب تھا۔

پوروس سے نکل کر ہم گھنٹے بھر میں اجینا پہنچ گئے۔ اجینا پستوں کے باغات کی وجہ سے مشہور ہے۔

اجینا میں پستوں کے باغات کے لئے مقامی طور پر ٹور مہیا کیے گئے تھے۔ میں نے ایسا کوئی ٹور لینے سے گریز کیا۔ یو ایس اے میں میری رہائشی ریاست کیلیفورنیا میوہ جات کی پیداوار میں سرِفہرست ہے۔

کیلیفورنیا میں ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے اکثر باداموں، اخروٹوں اور پستے کے باغات میں سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے اِس لئے میرے لئے اجینا میں پستوں کے باغات کے ٹور کا کوئی تک

پوروس جزیرے میں نوادرات کی ایک دوکان پر رکھے مجسمے

دائیں ہاتھ سے دوسرا مجسمہ سقراط کا ہے

پوروس جزیرے کا خوبصورت منظر

نہیں بنتا تھا۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ اجینا کے رہائشیوں میں گھل مل کر اُن کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے۔

اجینا جزیرے کو یونان کی تاریخ میں کئی اعتبار سے بہت زیادہ اہمت حاصل رہی ہے۔ تاریخی ریکارڈ کے مطابق سب سے پہلے اجینا میں ساتویں آٹھویں صدی قبل مسیح میں آبادی کے آثار ملتے ہیں۔ اجینا جزیرہ ہمیشہ ایک طاقت ور نیوی کا مرکز تھا۔ اس طاقت ور نیوی کی وجہ سے اجینا نے مڈل ایسٹ، خاص طور پر مصر اور یونان میں تجارت میں اہم کردار ادا کیا۔

اجینا میں یونانی تہذیب سے متعلق بہت سے میوزیم ہیں۔ جن میں سے مشہور ترین آرکیالوجی میوزیم، آفیا میوزیم، ہسٹاریکل اینڈ فولک لور میوزیم ہیں۔

اجینا چونکہ ایتھنز کے قریب ترین واقع ہے اس لئے ایتھنز آنے والے سیاح اجینا میں ایک آدھ دن ضرور گزارتے ہیں۔

ہم جب اجینا پہنچے شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ یہاں پر پستوں کے باغات کے ٹرپ کی وجہ سے جہاز پونے دو گھنٹے کے لئے رُکا۔

میں جہاز سے اُتر کر کوسٹ کے ساتھ ساتھ واقع بازار میں گھومنے نکلا تو وہاں مجھے کئی پاکستانی دکھائی دئے۔ جن میں سے کئی ایک مختلف مصنوعات ہاتھوں میں پکڑے بازار میں گھوم پھر کر بیچ رہے تھے۔ کچھ نے اپنی دوکانیں بھی بنا رکھی تھیں۔ پاکستانیوں کے علاوہ بہت سے بنگالی بھی دکھائی پڑے۔ ایک بنگالی نے جو کہ ڈھاکہ کا رہنے والا تھا اور ایک پاکستانی کے چمڑے کی مصنوعات کے اسٹور پر سیلز مین کے طور پر کام کرتا تھا مجھے بتایا کہ بنگلہ دیش کے مسائل بھی پاکستان سے ملتے جلتے ہیں۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ سال میں ایک بار ضرور ڈھاکہ جاتا ہے۔ اس

کے بقول ڈھاکہ میں بھی بجلی کی خاصی کمی ہے اور اکثر وہاں بھی لوڈشیڈنگ ہوتی رہتی ہے جس کی وجہ سے ڈھاکہ کے شہریوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اجینا میں گھومتے پھرتے گھنٹہ ڈیڑھ پل بھر میں گزر گیا۔ ابھی وہاں دیکھنے کے لئے اور بہت کچھ تھا لیکن وقت کی تنگ دامانی مانع تھی اِس لئے جہاز پر واپس لوٹنا پڑا۔

اجینا سے ایتھنز تک کا سفر بہت دل چسپ تھا۔ جیسے ہی مسافر نے اجینا سے ایتھنز روانگی کے لئے لنگر اُٹھایا جہاز کے گلوکاروں نے ڈائننگ ہال میں رقص و موسیقی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

وہ ایتھنز لوٹنے تک مسلسل یونانی گانے گاتے رہے۔ گانوں کی دھنیں خوبصورت اور پرجوش تھیں۔ کئی جوڑے اُن خوبصورت دھنوں پر رقص کرتے رہے۔ جو رقص کرتے تھک جاتے وہ فلور سے ہٹ جاتے اور دوسرے جوڑے اُن کی جگہ لے لیتے۔

ایک ہندوستانی فیملی جس میں ایک مرد دو خواتین، ایک نوعمر لڑکی اور دو چھوٹے لڑکے شامل تھے مسلسل فلور پر رقص کر رہے تھے۔

اسی رقص و موسیقی کی محفل کے ساتھ جہاز ایتھنز کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو سارا ایتھنز ڈوبتے سورج کی سنہری کرنوں سے چمک رہا تھا۔

ایتھنز ون ڈے کروز کا زمینی عملہ مسافروں کو خوش آمدید کہتے ہوئے اُنہیں اُن کی بسوں کی طرف گائیڈ کر رہا تھا۔

اگر آپ کو کبھی ایتھنز جانے کا اتفاق ہو تو جزائر کا ٹرپ ضرور لیں۔ آپ چند دن میں یونان کے چودہ سو کے قریب جزیرے تو نہیں دیکھ سکتے لیکن مجھے یقین ہے کہ اپنی سیاحت میں آپ جو جزیرے دیکھیں گے اُن کا حسن ہمیشہ آپ کی یادوں میں تازہ رہے گا۔

اجینا جزیرے پر لنگر انداز ہمارا جہاز

جہاز راں کمپنی کے فن کار جہاز کے لاؤنج میں رقص کر رہے ہیں

ایتھنز میں آخری دن

ایتھنز میں اتوار کا روز میرا آخری دن تھا۔ عام طور پر ایتھنز میں اتوار کے روز زیادہ تر کاروبار بند ہوتے ہیں۔ تاہم پبلک سروس سے متعلقہ سرکاری ادارے جیسے پوسٹ آفس وغیرہ کھلے رہتے ہیں۔

آج کا اتوار کا دن کوئی عام دن نہیں تھا۔ آج پورے یونان میں نئے انتخابات ہو رہے تھے۔

چند ماہ قبل معاشی بحران کے خلاف ملک بھر میں مظاہروں کی وجہ سے یونان کی حکومت گر گئی تھی اور اب عارضی حکومت کے تحت انتظام چل رہا تھا۔

آج یونانی نئے انتخابات کے ذریعے اپنے نئے پرائم منسٹر کا انتخابات کرنے جارہے تھے۔ مقابلہ مسٹر سموراز اور وینزیلو کے درمیان ہے۔

میں نے گزشتہ روز ھِدرا، پوروس اور اجینا میں دوستوں کے لئے پوسٹ کارڈ خریدے تھے۔ انہیں میل کرنے کے لئے مجھے ڈاک کے ٹکٹوں کی ضرورت تھی۔ پوسٹ آفس میرے ہوٹل کے بالکل قریب واقع تھا۔

اس لئے صبح اُٹھ کر ہوٹل میں ناشتہ کے بعد میں پوسٹ آفس جا پہنچا۔ ابھی تک پوسٹ آفس میں کوئی گاہک نہیں تھا۔ کاونٹر پر دو خواتین تشریف فرما تھیں۔

جس خاتون سے میں نے ٹکٹ خریدے اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کہاں سے ہوں۔

میں نے جواب دیا میں یو ایس اے سے ہوں۔ اس نے کہا نہیں تمہاری قومیت کیا ہے۔ میں نے پھر جواب دیا یو ایس اے۔ اُس نے کہا نہیں میرا مطلب ہے تم پیدا کہاں ہوئے تھے۔ میں نے

مسکرا کر جواب دیا پاکستان۔ میں دراصل اُسے تنگ کر رہا تھا۔ میں اُس کے پہلے سوال سے جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ وہ براہِ راست مجھ سے سوال کرے کہ میری پیدائش کہاں کی ہے تو میں اُسے پاکستان کے بارے میں بتاؤں۔ میں جانتا تھا کہ آج کل یورپی ممالک میں پاکستان کا نام سن کر لوگوں کے چہروں پر کس طرح کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔

میری توقع کے عین مطابق پاکستان کا نام سن کر اُس کا چہرہ قدرے اُتر گیا۔ پاکستان کے نام پر اُس کا چہرہ اُترتے دیکھ کر میں نے بھی اُس پر ضرب لگائی۔ میں نے کہا میں دو دن پہلے سقراط کی جیل دیکھنے گیا تھا۔ آج تمہارا اور تمہارے ملک کا نام اُس کے نام کی وجہ سے دنیا میں جانا جاتا ہے لیکن تم نے زہر کا پیالہ پلا کر اُسے مار دیا۔ میرا وار اُس پر کافی کاری پڑا۔ میرے اِس وار کی وجہ سے اُس کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔ مجھے لگا وہ سقراط کی موت کے ڈھائی ہزار سال بعد خود کو اُس کی موت کا ذمہ دار محسوس کر رہی ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے اُس کا دن برا گزرے۔ اُس کے ذہن سے عارضی احساسِ گناہ دور کرنے کے لئے میں نے اُس سے پوچھا کہ الیکشن کون جیتنے جا رہا ہے: سموراز یا وینزویلو؟ میرا سوال سن کر اُس کے چہرے پر قدرے اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے آنکھیں نچاتے ہوئے گرم جوش لہجے میں جواب دیا یقیناً سموراز اور کون؟ میں نے کہا سموراز کے جیتنے سے یونان کے حالات میں بہتری آنے کا کتنا امکان ہے۔ میرے اِس سوال پر وہ کچھ سنجیدہ ہو گئی۔ مجھے اُس کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے تیرتے دکھائی دیئے۔

میں نے ٹکٹیں لگا کر پوسٹ کارڈز اُس کے حوالے کیے اور پوسٹ آفس سے باہر نکل آیا۔

ایتھنز میں گریک اگورا کے ساتھ واقع ترکی کے دور کی بنی مسجد

اب مسجد مکمل طور پر بند ہے

مسجد کے باہر لگی تختی

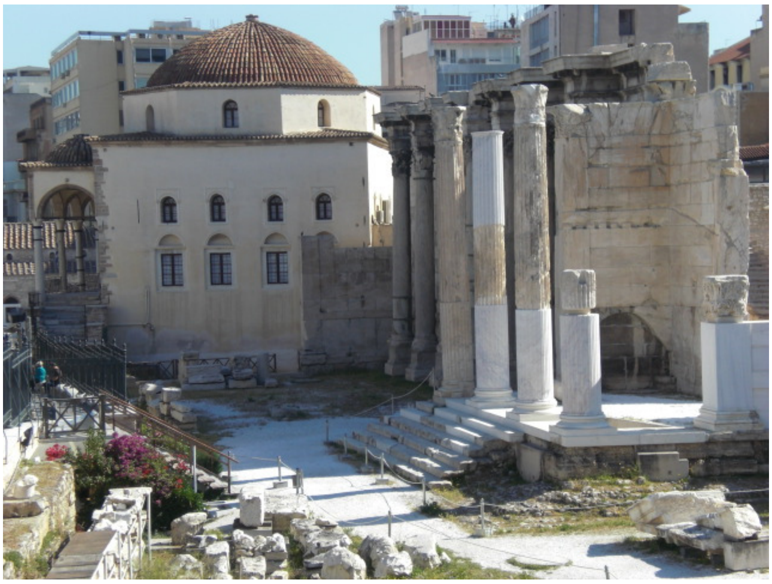

مسجد کے ساتھ لائبریری اور گریک اگورا کے کھنڈرات

گریک اگورا سے آگے رومن اگورا کے کھنڈرات کا ایک منظر

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اِس الیکشن کے دن رومن اور گریک اگورا کھلے ہوں گے یا نہیں۔ لیکن میں ایتھنز چھوڑنے سے پہلے ایک بار یہ جگہیں اندر سے دیکھنا اور قریب سے اُن کی تصویریں بنانا چاہتا تھا۔ گریک اگورا کے ساتھ ہی ترکوں کے عہد کی ایک مسجد تھی جسے میں اندر سے دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ مسجد ترکوں کے عہد کی اکلوتی یادگار تھی جو یونان میں رہ گئی تھی ورنہ ترکوں کے عہد کی سب نشانیاں یونان سے غائب کر دی گئی تھیں۔

میں آہستہ آہستہ چلتا گریک اگورا پہنچا تو یہ الیکشن کی وجہ سے بند تھا۔ میں نے لوہے کی سلاخوں سے بنی فینس کے ساتھ کھڑے ہو کر اندر کے کھنڈرات کی تصویریں بنائیں۔ گریک اگورے کے ساتھ ہی واقع ایک بلڈنگ دکھائی دی۔ یہ بلڈنگ ہی ترکوں کی یونان میں چھوڑی ہوئی مسجد تھی۔

میں نے ارد گرد گھوم پھر کر پہلے خود اندر جانے کا راستہ ڈھونڈا پھر ارد گرد کے دوکانداروں سے پوچھا لیکن مجھے مسجد کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہ دکھائی نہ دیا۔ دراصل یہ مسجد صدیوں سے بے آباد تھی۔ شاید یونان کے محکمہ آثار قدیمہ والے گریک اگورا کے اندر واقع عقبی دروازہ سے داخل ہو کر اس کی صفائی وغیرہ کر دیتے تھے ورنہ اِس میں پبلک کے داخلے کے سب دروازے مستقل طور پر بند کر دیئے گئے تھے۔

گریک اگورا اور مسجد کی تصویریں بنا کر میں اِس کے عقب میں تھوڑے فاصلے پر واقع رومن اگورا پہنچا تو وہاں متعین گارڈ نے بھی اگورا کے بند ہونے کی خبرِ بد سنائی۔ یہاں بھی میں نے بد دل ہونے کی بجائے لوہے کی سلاخوں سے بنی فینس کے باہر سے اندرونی کھنڈرات کی تصویریں بنائیں۔

گریک اگورا کے کھنڈرات اگر یونان کے ڈورک طرزِ تعمیر کی یادگار ہیں تو رومن اگورا کے کھنڈرات رومن طرزِ تعمیر کی یاد دلاتے ہیں۔

رومی اور یونانی دونوں اپنی عمارات میں بلند و بالا ستون کھڑے کرتے اور اُن پر چوطرفہ بیم بنا کر ان پر چھتیں ڈالتے ہیں۔ یونانیوں کے ڈورک طرزِ تعمیر میں ستونوں کی ساخت اِس طرح کی جاتی ہے جس سے لگتا ہے ستونوں پر عمودی لائنیں لگا کر اندر کی طرف ہلکی سی گولائی پیدا کی گئی ہے جبکہ رومی طرز تعمیر میں ستون عام طور پر فلیٹ سطح پر مبنی ہوتے ہیں اور اُن پر لائنیں نہیں ہوتیں۔ ستونوں کے اُوپر بیموں پر دونوں اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بناتے ہیں۔ دونوں کے دیوتاؤں میں اُن کے خدوخال کی وجہ سے صاف امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

میں رومن اگورا سے فارغ ہوا تو اب میری منزل ایکروپولس کے ساتھ ہی واقع ایتھنز کا قدیم اگورا تھا۔

دراصل سقراط کا ٹرائل اِسی اگورا میں ہوا تھا۔ میں لوگوں سے پوچھتا اور وہاں سے نظر آتی ایکروپولس کو دیکھتا پیدل ہی دس پندرہ منٹ میں ایکروپولس کے عقب میں واقع قدیم اگورا جا پہنچا۔ اب میرے سامنے وہ مقام تھا جہاں سقراط کو اپنے آپ کا پانچ سو بندوں کی جیوری کے سامنے دفاع کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے لگا کہ میں آج بھی وہاں بیٹھے پانچ سو سیاست دانوں، کاروباری حضرات، سرکاری اہلکاروں اور معزز شہریوں پر مبنی دم بخود بیٹھے اور سقراط کی دفاعی تقریر سنتے جیوری کے ممبران کو دیکھ سکتا ہوں۔ اُن کے چہروں پر اُبھرتے اور ڈوبتے احساسات پڑھ سکتا ہوں۔ سقراط کی غیر جذباتی اور مدلل تقریر سن سکتا ہوں۔ وہ کہہ رہا ہے: "فلسفے کا آغاز اپنی جہالت کے ادراک سے ہوتا ہے۔ اُس کے پاس جتنی عقل ہے اِس وجہ سے ہے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔۔۔۔" وہ جیوری کے ممبران کو کہتا ہے: " تم

میری تقریر کی خوبیوں سے متاثر ہو کر میرے بارے میں کوئی رائے مت بنانا۔ تم میرے بارے میں اپنی رائے سچ کی بنیاد پر قائم کرنا۔"

وہ جیوری کے ممبران کو بتا رہا ہے کہ کس طرح اُس پر الزام لگانے والوں کے ذہن جوانی میں کرپٹ کر دیئے گئے تھے۔ کس طرح اُن کو تعصب کا شکار کر دیا گیا تھا۔

میں سقراط کی تقریر سنتے زمانِ حال میں آیا تو میں نے دیکھا قدیم اگورا میں جہاں سقراط نے کھڑے ہو کر اپنے دفاع میں تقریر کی تھی وہاں بہت سے زرد اور قرمزی رنگ کے پپی فلاورز اگورا میں چلتی ہوا سے لہرا رہے تھے۔ یہی پھول میں نے چند دن پہلے سقراط کی جیل کے باہر دیکھے تھے۔ وہاں بھی ان کی سرمستی و رعنائی کا یہی عالم تھا جو یہاں تھا۔

اگورا کے ساتھ ہی ججمنٹ ہل ہے۔ اس ہل کا ذکر افلاطون نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔

ججمنٹ ہل کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قدیم یونان میں مجرموں کو سزا سنانے کے لئے اِس ہل پر لایا جاتا تھا۔

جاتے جاتے چند لمحوں کے لئے میں ججمنٹ ہل پر بھی گیا۔ وہاں ایک تختی لگی تھی جس پر لکھا تھا کہ اس ہل پر بائبل کے نیوٹیسٹامینٹ کے کچھ حصوں کے مصنف پال نے ایتھنز کے فلسفیوں اور شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے اُن کو تمام انسانوں کے خالق خدا اور یومِ حساب کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔

کہتے ہیں پال پہلے یہودی تھا جو کہ یروشلم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کو قتل کیا کرتا تھا۔ پھر اُس نے نہ صرف خود عیسائیت اختیار کی بلکہ بائبل کے نیوٹیسٹامینٹ کے چودہ حصے لکھے اور سلطنت رومہ میں وسیع پیمانے پر عیسائیت کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا۔ اسی سلسلے

میں اُس نے یونان کا سفر بھی کیا۔ یونان میں پال کی تبلیغ کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے عیسائیت اختیار کی۔

یونان میں سینٹ پال کی سرگرمیوں کا مرکز ایتھنز سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع شہر کورنتھ تھا۔ کورنتھ میں اب بھی سینٹ پال کے زمانے کے آثار اچھی حالت میں موجود ہیں۔

کورنتھ کے میوزیم میں سینٹ پال کے زمانے کے بہت سے نوادرات رکھے ہیں جن کے ذریعے اُس زمانے میں زندگی کرنے والوں کی زندگیوں کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

ججمنٹ ہل سے نیچے اترا تو میری ملاقات چند نوجوان پاکستانیوں سے ہوئی۔ وہ وہاں پانی کی بوتلیں بیچ رہے تھے کہ پولیس آ گئی۔ وہ پولیس کے خوف سے درختوں میں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اُن کا حال احوال پوچھ کر آگے بڑھا تو یوکرین کے ایک نوجوان جوڑے سے ملاقات ہوئی۔

یوکرینی نوجوان اپنے دو ننھے بچوں کو اپنی بیوی کے ساتھ چھوڑ کر ججمنٹ ہل پر گیا تو خاتون میرے ساتھ بنچ پر بیٹھ گئی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ سیر و سیاحت کی غرض سے یوکرین سے آئے ہیں۔ میں نے اُس سے یوکرین کے حالات کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے مجھے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بتایا کہ سوویت یونین کے دور میں مشکلات تھیں لیکن زندگی اس قدر اجیرن نہیں تھی۔ تب نظام بہت بہتر تھا۔ تعلیم کے مواقع ہر ایک کو میسر تھے۔ ہر کوئی جہاں تک چاہتا تھا مفت تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ تعلیم کے بعد کرنے کے لئے ملازمت بھی موجود ہوتی تھی۔

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد یوکرین میں ہر چیز تباہ ہو گئی ہے۔ مغرب سے آنے والی اشیاء کی بھرمار نے مقامی صنعتوں کو برباد کر دیا ہے۔ لوگوں کے پاس کرنے کے لئے کام اور اشیائے ضروریہ خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔

ججمنٹ ہل کے نیچے قدیم اگوراجہاں سقراط نے کھڑے ہو کر ججوں کے سامنے
اپنا دفاع کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے ایکروپولس ہل ہے جہاں پار تھینن واقع ہے

قدیم اگورا کے پہلو میں واقع ججمنٹ ہل

میں اور خاتوں ابھی پرانے اور نئے یوکرین کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اُس کا خاوند ججمنٹ ہل سے ہو کر واپس آ گیا۔ پھر وہ بچوں کے ساتھ وہاں رکا اور خاتون ہل کی زیارت کے لئے چلی گئی۔ وہ ہل پر ہو کر واپس لوٹی تو وہ ایک طرف جبکہ میں قدیم اگورا کے ساتھ بنے ایک راستے سے نیچے شہر کی طرف چل پڑا۔

پہاڑی راستے سے نیچے اُترتے ہوئے میں نے تر آنکھوں سے آخری بار ایتھنز کے قدیم اگورا کے کھنڈرات پر نظریں دوڑائیں۔ اگورا کے اوپر ایکروپولس پر واقع دیوی اتھینا کے ٹیمپل کی طرف دیکھا اور پیدل ارسطو کی اکیڈمی کے کھنڈرات کی تلاش میں چل پڑا۔

تھوڑی دور گیا تو مجھے انڈر گراونڈ ٹرین کا اسٹیشن دکھائی پڑا۔ میں نے سوچا میں نے ابھی تک ایتھنز میں انڈر گراونڈ ٹرین پر سفر نہیں کیا۔ ایتھنز میں آخری دن ہونے کی وجہ سے آج اگر میں زیر زمین ٹرین پر نہ بیٹھتا تو پھر اس تجربے سے محروم رہتا۔ یہی سوچ کر میں ٹرین اسٹیشن کے اندر چلا گیا۔ اسٹیشن ہر اعتبار سے جدید سہولتوں سے مرصع تھا۔ جدید ٹکٹ مشینیں، نیچے جانے کے لئے الیکٹرانک سیڑھیاں اور ہوادار ہال وے اور پھر اوپر نیچے بنے پلیٹ فارم سب کچھ جدید معیار کے مطابق بنایا گیا تھا۔

ایتھنز میں ٹرین کا ٹکٹ وقت کے حساب سے خریدنا پڑتا ہے۔ سب سے کم وقت کا ٹکٹ ایک گھنٹے اور پچاس منٹ کا ہوتا ہے جو ایک یورو میں ملتا ہے۔ میں نے یہی ٹکٹ خریدا اور ایک خاتون سے مدد لے کر مناسب ٹرین پر سوار ہوا اور دو اسٹاپوں کے بعد اپنی منزل پر اُتر گیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد میں ارسطو کی اکیڈمی کے کھنڈرات کے سامنے کھڑا تھا۔

وہاں ایک پولیس افسر نے مجھے بتایا کہ اس اکیڈمی کے کھنڈرات کو نئی جگہ پر منتقل کیا جارہا ہے تا کہ اسے بحال کیا جاسکے۔

اس وقت تک دن کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ میں پیدل چلتے اتنا تھک چکا تھا کہ اب چلنے کی بالکل ہمت نہیں تھی۔ اس لئے میں نے ٹیکسی پکڑی اور ایتھنز کے جرائم کے حوالے سے بدنام ترین علاقے امونیا کا رخ کیا۔ مجھے ایتھنز میں ہر ملنے والے نے امونیا جانے سے منع کیا تھا۔

دراصل ایتھنز کا یہ بدنام ترین علاقہ پاکستانیوں کا گڑھ ہے۔ امونیا میں بہت لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت ہوتی ہے۔ اِس لئے اِس علاقے میں ہمہ وقت پولیس کی کافی نفری تعینات رہتی ہے۔

ٹیکسی والے نے مجھے امونیا اسکوائر اتارا تو مجھے سامنے ایک سانولے رنگ کا ایک لڑکا ایک ادھیڑ عمر کے یونانی کے ساتھ ایک پک اپ ٹرک پیچھے رکھے باتھ روم ٹاولز کے رول بیچتا دکھائی پڑا۔

اُس کی سانولی رنگت اور حلیئے سے میں سمجھا بنگالی ہے۔ میں نے بنگالی میں اُسے کیمونا چھن کہا تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا جناب میں کیمونا چھن نہیں میں پاکستانی ہوں اور سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔

میں نے اس سے وہاں کسی پاکستانی ریستوران کا پتہ پوچھا۔ میں نے دیکھا اُس کے منہ میں اُس کے سامنے والے چھ سات دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ میرے استفسار پر اُس نے بتایا کہ کسی یونانی نے اُسے لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے رقم دینے سے انکار کیا تو یونانی لٹیرے نے مکا مار کر اُس کے دانت توڑ دیئے تھے۔

میں نے پوچھا کیا پولیس نے کوئی کاروائی کی تھی؟ اُس نے کہا ہاں واجبی سی کاروائی کی تھی لیکن ہوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے کہا کیا پاکستان ایسے ہی جاؤ گے؟ اُس نے کہا نہیں جانے سے پہلے

مصنوعی دانت لگواؤں گا تاکہ ماں باپ کو پتہ نہ چلے۔ میں نے پوچھا یہ یونانی تمہیں اس کام کے کتنے پیسے دیتا ہے۔ کہنے لگا دن کے پندرہ یورو۔

وہ میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا تو اُس کا مالک یونانی اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اُس کا کام ٹاولز بیچنے کے لئے ہانکا لگانا تھا اور وہ مجھ سے باتوں میں مصروف تھا۔

میں نے اُس کے ٹوٹے دانت دیکھتے ہوئے اور اُس کے مالک کی ناراضی کا خطرہ مول نہ لینے کے لئے اُسے خدا حافظ کہا اور اُس کے بتائے ہوئے پاکستانی ریستوران کی طرف چل پڑا۔

اُس کا بتایا ہوا ریستوران وہاں سے چند بلاک دور چوروں کے بازار میں واقع تھا۔ اُس کی ہدایات پر عمل کرتا چند بلاک چلنے کے بعد میں چوروں کے بازار میں پہنچا تو وہاں مجھے گجرات کے رہنے والے ایک صاحب کا مکہ نام کا پاکستانی ریستوران دکھائی۔ مکہ ریستوران کے پاس ہی ایک مسجد تھی۔ میں نے ریستوران میں کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر ریستوران میں کام کرنے والے پاکستانی لڑکوں سے گپ شپ کی۔ یونان کے حالات پوچھے۔ وہ سب یونان کے حالات سے بددل تھے اور یہاں سے نکلنا چاہتے تھے۔ لیکن کہاں جاسکتے تھے۔ اس بارے سب کے خواب مختلف تھے۔ سب کی منزلیں مختلف تھیں۔ تاہم اُن میں سے کوئی بھی پاکستان واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ سب کا دل پاکستان کے حالات پر دکھی تھا اور سب اپنے عزیز و اقارب کی خیریت کے بارے میں فکر مند تھے۔

کھانا کھانے کے بعد میں نے ریستوران میں کام کرنے والوں اور ریستوران کے مالک کو خدا حافظ کہا اور اُن سے اجازت لے کر ریستوران سے باہر نکل آیا۔

ریستوران سے نکل کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل واپس چلا آیا۔ اگلے دن صبح مجھے واپس امریکہ کے لئے نکلنا تھا۔ اس لئے ہوٹل آکر اپنا سامان پیک کیا تاکہ صبح ناشتہ کرکے ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہوسکوں۔

امریکہ واپسی

کل بہت سا پیدل چلنے کی وجہ سے اِس قدر تھکاوٹ ہوئی کہ امونیا سے واپسی کے بعد ہوٹل کے کمرے میں لیٹا رہا۔ میرا یونان کا سفر مکمل ہو چکا تھا۔ میری لسٹ پر ایتھنز میں دیکھنے والی کوئی اور چیز باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس لئے صرف ڈنر کے وقت ہوٹل کے قریب ہی واقع میکڈانلڈ جا کر برگر کھایا اور پھر واپس ہوٹل چلا آیا۔ مکمل آرام کرنے کی وجہ سے اگلی صبح جلد ہی آنکھ کھل گئی۔

اُٹھتے ہی ٹی وی پر بی بی سی آن کیا کہ یونان کے کل کے الیکشن کا نتیجہ دریافت کروں لیکن تاحال کسی واضح نتائج کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم فرانس کے الیکشن کے نتائج بی بی سی سے اناؤنس کیے جا رہے تھے۔ اچھی خبر یہ تھی کہ سرکوزی الیکشن ہار گئے تھے اور اُن کے مقابلے میں سوشلسٹ امیدوار فرانکوس ہالینڈے الیکشن جیت گئے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق پورے یورپ میں اِس کامیابی کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ ہالینڈے کی کامیابی پر یورپ کی تشویش کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ سوشلسٹ امیدوار کی کامیابی کا مطلب انقلاب نہیں بلکہ پالیسیوں میں معمولی تبدیلی ہے۔

یونان کے الیکشن کے نتائج عوامی اعتبار سے کوئی حوصلہ افزا دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لگتا تھا کہ یونان کے عوام کی معاشی مشکلات ابھی چلتی رہیں گی۔ نوجوانوں کو شادی کرنے کے لئے اور شادی شدہ یونانیوں کو بچوں کی پیدائش کے لئے ابھی انتظار کرنا پڑے گا۔

ایتھنز میں اپنے قیام کے دوران جس ٹیکسی ڈرائیور سے بات ہوئی اُس نے بغیر لگی لپٹی یہی کہا کہ وہ شادی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ شادی کرنا افورڈ نہیں کر سکتا۔ جس کی شادی ہو چکی تھی اُس نے شادی کرنے کو افسوس ناک قرار دیتے ہوئے بچوں کی پیدائش ملتوی رکھنے کا عندیہ دیا۔

تھوڑی دیر تک ٹی وی پر خبریں دیکھنے کے بعد غسل کیا، کپڑے بدلے، نیچے جا کر ناشتہ کیا اور اٹیچی اٹھا کر بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہوا۔ پارلیمنٹ کے سامنے سنتگما اسکوائر سے ہر پندرہ منٹ بعد ائیر پورٹ بس جاتی ہے۔ وہاں پہنچا تو ائیر پورٹ جانے والی بس روانگی کے لئے تیار تھی۔ پانچ یورو کا ٹکٹ خرید کر بس پر سوار ہوا۔ بس کا ڈرائیور یونانی میں ٹکٹ کے بارے کچھ کہتا رہا لیکن میرے پلے کچھ نہ پڑا۔ چنانچہ میں سیٹ پر براجمان ہوا تو اس نے بھی مزید گفتگو بند کر کے بس کو گئیر میں ڈالا اور بس چلا دی۔ میں نے آخری بار بس کی کھڑکی سے ایتھنز کے پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف دیکھا تو میرا ذہن کل کے غیر نتیجہ خیز الیکشن کی طرف چلا گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یونانی تین ہزار سال سے جمہوریت کی پریکٹس کر رہے ہیں لیکن ابھی تک اُن کی جمہوریت اس قابل نہیں ہو سکی کہ اُنہیں الیکشن کے حتمی نتائج فراہم کر سکے۔ وہ ملک جن کی جمہوریت ابھی نو خیز ہے اُنہیں اپنی جمہوریتوں کو اس مقام تک لاتے کتنی دیر لگے گی کہ وہ کامیاب حکومتیں بنا اور چلا سکیں۔

صبح کا وقت ہونے کی وجہ سے بس میں کوئی زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک گھنٹہ تک ایتھنز کی سڑکوں پر دوڑنے کے بعد بس ائیر پورٹ پہنچی تو ائیر پورٹ بین الاقوامی مسافروں کی آمد و رفت سے خوب مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

ائیر پورٹ میں کسی جگہ ائیر لائنوں کے کاونٹروں کے نام نہیں تھے۔ میں نے انفارمیشن ڈیسک سے ائیر لائن کے کاونٹر کا پتہ کیا تو انفارمیشن کلرک نے کہا کہ میری مطلوبہ ائیر لائن ۱۴ سے ۱۸ تک کے کاونٹرز پر بورڈنگ کارڈ جاری کر رہی ہے۔

میں اُس وقت تقریباً ۴۷ کاونٹر کے قریب تھا۔ ائیر پورٹ کے اندر چلتا اٹھارویں کاونٹر پر پہنچا تو وہ یو ایس اے ائر لائنز کا کاونٹر تھا۔ میری واپسی کی سیٹ یو ایس ائیر لائنز ہی سے بک تھی۔ مجھے یو ایس ائیر ویز سے ایتھنز سے فلاڈلفیا اور پھر فلاڈلفیا سے جہاز بدل کر سان فرانسسکو جانا تھا۔

کاونٹر پر بورڈنگ پاس جاری کرنے سے پہلے یو ایس اے سیکورٹی کے ایک افسر نے یونان آنے کے بارے میں کافی سوال و جواب کیے۔ خوب تشفی کے بعد اُس نے کاونٹر کلرک سے کہا کہ وہ مجھے بورڈنگ پاس جاری کر دئے۔ بورڈنگ پاس لینے کا یہ طریقہ میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔

بہر حال بورڈنگ پاس لے کر مطلوبہ گیٹ پر پہنچا تو وہاں پھر یو ایس اے کا سیکورٹی کا عملہ مسافروں کی خوب جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ میرا سامان بھی اچھی طرح چیک کر کے انہوں نے مجھے گیٹ کے اندر جانے دیا۔

ایک تین بچوں والی امریکن خاتون اُن کے رویئے کی وجہ سے اُن سے الجھ رہی تھی۔ لیکن وہ بغیر کسی ردِّعمل کے اُس کے سامان کی تلاشی لے رہے تھے۔ میرے گیٹ میں داخل ہونے کے کئی منٹ بعد وہ بچوں اور سامان کو سنبھالتی گیٹ کے اندر آئی تو ائیر لائن کی ایک ملازمہ اُس کی مدد کر رہی تھی۔

آج یو ایس ایئر لائنز کی ایتھنز سے فلاڈلفیا تک سیزن کی پہلی پرواز تھی۔ شاید اِسی وجہ سے سیکورٹی اور ایئر لائن کا عملہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی متحرک دکھائی دے رہا تھا۔

سب مسافروں کی چیکنگ کے بعد وقت پر بورڈنگ کا آغاز ہوا۔ جہاز کی روانگی کے وقت سے دس منٹ پہلے بورڈنگ مکمل ہوئی۔ پانچ منٹ پہلے جہاز کا دروازہ بند ہوا۔ ایتھنز سے بروقت پرواز روانہ ہوئی اور وقت مقررہ سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے جہاز فلاڈلفیا پہنچا۔

فلاڈلفیا ایئر پورٹ پر امیگریشن اور کسٹم کا عملہ بہت مصروف تھا۔ لگتا تھا ایک ہی وقت میں کئی فلائٹیں لینڈ ہوئی تھیں۔ اِس لئے امیگریشن ہال میں مسافروں کا جمگھٹا لگا تھا۔ تاہم امیگریشن اور کسٹم کا عملہ انتہائی چابکدستی سے سارے مسافروں کو نبٹا رہا تھا۔ خاص طور پر غیر امریکی شہریوں کی قطاریں بہت طویل تھیں۔ امیگریشن کے عملہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ خاصا وقت صرف کر رہا تھا۔ البتہ امریکی شہریوں والی قطاریں بہت تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ میں اپنی باری پر امیگریشن افسر کے پاس پہنچا تو اس نے گڈ آفٹر نون کہتے ہوئے میرا پاسپورٹ پکڑ کر اُس کے صفحات پلٹ کر دیکھے۔ اُس کے بعد ویلکم کہتے ہوئے میرا پاسپورٹ اسٹمپ کر کے میرے حوالے کیا۔

ایتھنز سے فلاڈلفیا کی دس گھنٹے کی فلائٹ تھی۔ جہاز میں کمپیوٹر کے لئے پاور پلگ نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اپنا وقت سو کر اور فلمیں دیکھ کر گزارا۔ اس لئے میں خوب ریلکس تھا۔

دو گھنٹے بعد فلاڈلفیا سے میری سان فرانسسکو کے لئے فلائٹ تھی۔ میں ایک ٹرمینل سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دوسرے ٹرمینل پر واقع اپنے گیٹ پر پہنچا۔ وہاں کمپیوٹر پلگ کر کے ای میلز چیک کیں۔ تھوڑا کام کیا تو سان فرانسسکو کی فلائٹ کی بورڈنگ شروع ہو گئی۔

بورڈنگ مکمل ہوتے ہی طیارہ ٹیکسی ہو کر رن وے پر آیا۔ایک ائیر ہوسٹس نے پرواز سے متعلق ضروری ہدایات کا اعلان کیا۔ ٹاور سے پرواز کا سگنل ملتے ہی طیارہ تھوڑی دیر رن وے پر دوڑ کر یو ایس کی ہواؤں میں پرواز کر گیا۔یو ایس اے میرا گھر ہے اور اب میں اپنے گھر کی فضاؤں میں سان فرانسسکو کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

دور ایتھنز کی فضاؤں میں سقراط کے خون سے جلتی شمع کا شعلہ اب بھی ناانصافیوں کی آندھیوں سے نبرد آزما تھا۔

کچھ مصنف کے بارے میں

خواجہ اشرف 1951 میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 1971 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کے بعد پہلے مختصر عرصہ کے لیے اسلام آباد میں پریذیڈنٹ سیکریٹریٹ میں کام کیا۔ پھر پنجاب پبلک سروس کمشن سے انتخاب کے بعد پنجاب میں محکمہِ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور پنجاب کے مختلف کالجوں میں بطورِ لیکچرار پڑھاتے رہے۔

لکھنے پڑھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ دورانِ تعلیم پاکستان کے مختلف اخبارات میں کے ایم اشرف کے نام سے سیاسی، سماجی اور ادبی موضوعات پر مضامین لکھے۔

پاکستان میں وزیر آغا کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین اوراق اور ہندوستان میں شمس الرحمٰن فاروقی کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین شب خون میں کئی کہانیاں اور انشایئے لکھے۔

جنرل ضیاالحق کے مارشل لاء کے بعد 1981 میں امریکہ چلے گئے۔ امریکہ میں یونیورسٹی آف فینکس سے ایم بی اے کرنے کے بعد کاروباری دنیا سے وابستگی اختیار کی۔

امریکہ منتقلی کے بعد ضیا دور میں مختلف بین الاقوامی فورمز پر پاکستان میں بحالی جمہوریت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ یہ جدوجہد مشرف دور میں بھی جاری رہی۔ اب بھی پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما اور ترویج واشاعت سے خاص دلچسپی ہے۔

ادب میں ترقی پسند رجحانات کی طرف جھکاؤ ہے۔ زیرِ نظر سفر نامے "سقراط کے شہر میں" کے علاوہ دو اور سفر ناموں " کنارِ نیل" اور "اسرائیل میں چند روز" اور تین ناولوں 'مٹی کا بیٹا'، 'نسل سوختہ' اور 'شب گزیدہ سحر' اور کہانیوں کے تین مجموعوں "آئینہ کہانی" اور "مکالمے کا

قتل" اور "تاریکی میں چلتے لوگ" اور نثری نظموں کی ایک کتاب "برف میں کھلا پھول" کے مصنف ہیں۔ تاحال لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

مصنف کی دیگر کتابیں

مٹی کا بیٹا۔۔۔ناول

ایک اچھوتی اور دلچسپ کہانی جو پاکستان کے چھوٹے سے گاؤں سے شروع ہو کر امریکہ سے ہوتی ہوئی اُسی گاؤں میں ختم ہوتی ہے۔ کہانی کا ہیرو ساری عمر اپنے طبعی والد کی تلاش میں کئی دلچسپ مرحلوں سے گزرتا ہے۔ انسانی جذبوں کی عظیم داستان جو انسان دوستی اور انسانی مساوات کا درس دیتی ہے۔ تشدد اور جنگ سے بچنے کا سبق سکھاتی ہے۔ زندگی کے احترام کی تلقین کرتی ہے۔

نسلِ سوختہ۔۔ناول

1947 میں پاکستان بننے سے لیکر 1971 میں قائد اعظم محمد علی جناح کے پاکستان ٹوٹنے کی کہانی۔ پاکستانی سیاست کی بائیبل جس میں اُن کوتاہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے 1971 میں قائداعظم محمد علی جناح کا پاکستان دولخت ہُوا۔ پاکستان کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کے ممکنہ حل پیش کرتی ہے۔ پاکستانی سیاست میں دلچسپی رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے اس ناول کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس کا مطالعہ اُنہیں پاکستان کو ایک نئے پس منظر میں دیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

شب گزیدہ سحر۔۔ناول

شب گزیدہ سحر روسی انقلاب کے بعد سوویت یونین کی تشکیل سے لے کر تحلیل تک کی کہانی ہے جو ایک رومانی داستان کے ذریعے نہ صرف انقلاب کی کہانی سناتی ہے بلکہ سوویت یونین کے عروج وزوال اور آخرِکار تحلیل کے پس پردہ عوامل اور کرداروں کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ ناول

اپنے قارئین کو سوویت یونین کے بارے میں ایک نیا پسِ منظر پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر انقلابی کارکن اس ناول کو پڑھ کر انقلاب کے لئے اپنی جدوجہد میں ممکنہ غلطیوں سے خود کو اور تحریک کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

آئینہ کہانی۔۔۔کہانیوں کا مجموعہ

آئینہ کہانی میں مصنف کے قلم سے لکھی گئی چھبیس انوکھی اور دلچسپ کہانیاں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کہانی زندگی کے کسی نہ کسی انوکھے رُخ کی نشاندہی کرتی ہے جسے پڑھ کر انسان بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مکالمے کا قتل۔۔۔کہانیوں کا مجموعہ

مکالمے کا قتل مصنف کے قلم سے لکھی گئی پچیس مزید کہانیوں کا مجموعہ جن میں مصنف نے انوکھے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اِن کہانیوں میں مصنف کا دیگر لکھاریوں سے ہٹ کر چیزوں کو دیکھنے کا عمل اُسے ایک طرف اپنے ہم عصر لکھاریوں سے ممتاز کرتا ہے اور دوسری طرف قارین کو ان موضوعات کو مکمل طور پر مختلف زاویوں سے نظر ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ قاری سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ زندگی کو ایسے زاویوں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے لیکن آج تک وہ ایسا کیوں نہیں کر سکا۔

تاریکی میں چلتے لوگ۔۔۔کہانیوں کا مجموعہ

تاریکی میں چلتے لوگ مصنف کے قلم سے لکھی گئی چھبیس کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کہانیوں کے موضوعات ہمارے عہد کے شعوری تضادات کو اتنی خوبصورتی سے اپنے گرفت میں لیتے ہیں کہ قاری انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ کہانیوں کی کنسٹرکشن اتنے فن کارانہ انداز میں کی گئی ہے

کہ مصنف اردو کہانی نگاروں سے سے اُٹھ کر بین الاقوامی کہانی نگاروں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ایک نقاد کا کہنا ہے کہ تاریکی میں چلتے لوگ کی کہانیاں اُسے سعادت حسن منٹو اور ٹیگور کی کہانیوں کی یاد دلاتی ہیں۔

اسرائیل میں چند روز۔۔۔سفر نامہ

اسرائیل میں چند روز میں مصنف نے اسرائیل میں گزارے چند دنوں کی کہانی اتنی خوبصورتی اور مہارت سے بیان کی ہے کہ قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایک پل مصنف کے ساتھ اسرائیل کا سفر کر رہا ہے۔اس سفر نامہ میں یروشلم سے تعلق رکھنے والے پیغمبروں کے سبھی مقبروں کی کلر تصاویر کے ساتھ ساتھ اُن کی زندگیوں کے منفرد واقعات شامل ہیں جو آپ کو کسی اور کتاب میں نہیں ملیں گے۔کتاب میں اسرائیل کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک کی صورت حال پر بصیرت افروز معلومات کی تفصیل درج ہے۔

برف میں کھلا پھول۔۔۔نثری نظمیں

برف میں کھلا مصنف کا ۷۵ نثری نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے جنہیں پڑھ کر قاری حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ نثری نظم میں بھی ایسے شاعرانہ امیجز تراشے جاسکتے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان وہی حظ اٹھاتا ہے جو کبھی روایتی شاعری کا طرہ امتیاز تھا۔

کنارِ نیل۔۔۔سفر نامہ

مصنف نے 2012 میں کیے گئے اپنے مصر کے سفر کی داستان اتنی خوبصورتی اور مہارت سے تحریر کی ہے کہ قاری سارے سفر میں مصنف کے ساتھ سفر کرتا ہے۔اس سفر میں جہاں قاری

مصنف کی آنکھوں سے مصر دیکھتا ہے وہاں مصر کی تاریخ، جغرافیہ اور ثقافتی لینڈ اسکیپ سے بھی مکمل آگاہی حاصل کرتا ہے۔

کتاب خریدنے کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں:

Email: kashraf@ix.netcom.com